رجسٹرڈ ٹیلیگرافک نمبر | فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن | رجسٹرڈ آصفیہ نمبر ۱۵۰

شرح چندہ
سالانہ .... [illegible]
ششماہی .... [illegible]
سہ ماہی .... [illegible]

مملکت
ہفتہ وار

ایڈیٹر
میر حسن الدین بی اے ال ال بی (عثمانیہ)

قیمت فی پرچہ (۲/)

جلد (۲) | ۳۰ مہر ۱۳۵۱ف | ۲۳ شعبان ۱۳۶۱ھ | ۵ ستمبر ۱۹۴۲ء شنبہ | نمبر (۲۱)

ہندوستان کو پانچ مقبوضات میں منقسم کیا جائے

مرکزی حکومت کی تشکیل بھی ضروری

سر فیروز خاں نون کی اسکیم

سر فیروز خاں نون نے علی گڑھ یونیورسٹی میں طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان کو پانچ مقبوضات (ڈومینین) میں منقسم کرنا چاہئے اور ایک مرکزی حکومت جو ان مقبوضات کے نمائندوں پر مشتمل ہو تشکیل دی جانی چاہئے جس کا دائرہ عمل مدافعت امور خارجہ کروڑ گیری اور کرنسی پر حاوی ہو۔ ان مقبوضات کو علیحدہ ہونے اور علیحدگی کے بعد پھر شریک ہونے کا اختیار حاصل رہنا چاہئے۔ اپنی اسکیم کی وضاحت کرتے ہوئے سر فیروز خاں نون نے کہا کہ:-

"میں محسوس کرتا ہوں کہ ہندوستان کی سیاسی وحدت ایک عظیم الشان مقصد ہے جس کو ہر ہندوستانی کے پیش نظر رہنا چاہئے۔ اگر ہندوستان کو ایک سیاسی وحدت کے طور پر برقرار رکھا گیا تو ہم معاشی وسائل، مالیاتی استحکام، اور مدافعتی قوت کے اعتبار سے دنیا کے قوی ترین ممالک میں جگہ پائیں گے۔ اس امر کو پیش نظر رکھ کر میں ایک ایسا حل دریافت کرنا ہے جس سے مسلم اقلیت کو محسوس ہو سکے کہ اس نئے نظام سیاسی میں وہ ہمیشہ ہندو راج کے تابع نہیں ہوں گے جس سے متعلق ان کا اندیشہ خانہ جنگی سے ہو سکے گی یا بیرونی حملے۔

میں چاہتا ہوں کہ برطانوی ہند کو پانچ مقبوضات میں منقسم کیا جائے:-

(۱) بنگال اور آسام

(۲) صوبۂ متوسط و برار اور صوبہ متحدہ

(۳) مدراس (ڈراویڈی)

(۴) بمبئی (مہاراشٹرا)

(۵) پنجاب، بلوچستان، سندھ، و شمال مغربی سرحدی صوبہ۔

یہ پانچ مقبوضات نیوزی لینڈ، آسٹریلیا، اور جنوبی افریقہ کی طرح مکمل طور پر آزاد ہیں۔ لیکن بعض امور ایسے ہیں جن کے انصرام کے لئے ایک مرکزی اقتدار (حکومت) اور تمام مقبوضات کی طرف سے ایک مشترکہ کوشش ضروری ہے۔ یہ امور میری رائے میں حسب ذیل ہیں۔ مدافعت، کروڑ گیری، امور خارجہ اور کرنسی۔

مرکزی حکومت۔

ان چاروں ابواب کے انصرام کے لئے میں یہ سفارش کروں گا کہ ایک مرکزی حکومت تشکیل دی جائے اور یہ مرکزی حکومت ایسے نمائندوں پر مشتمل ہو جن کو ان پانچ مقبوضات کی حکومتوں نے نامزد کیا ہو۔ اور یہ نمائندے اس وقت تک برسر خدمت رہیں گے جب تک کہ ان کو نامزد کرنے والی حکومتیں برسر اقتدار رہیں گی۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اگر کسی وقت کوئی ڈومینین مرکزی حکومت کے طرز عمل سے غیر مطمئن ہو تو اس ڈومینین کو علیحدہ ہونے کا اختیار حاصل ہوگا لیکن اس کے ساتھ ایک دفعہ بھی رکھی جائے گی کہ علیحدہ ہونے والی ڈومینین اختلافات رفع ہونے کے بعد پھر مرکز میں شریک ہو سکے گی۔ اگر آپ کسی مملکت سے کہیں کہ ایک بار وفاق میں شریک ہونے کے بعد اس سے علیحدہ ہونا ممکن نہ ہوگا تو اس مملکت کے ارباب اقتدار وفاق ہی سے علیحدہ رہنے کی پوری کوشش کریں گے لیکن اگر آپ علیحدہ ہونے کی آزادی دیں تو آپ اس کو وفاق میں شریک ہونے اور آزمائش کرنے کی ترغیب دیں گے۔

روس کی مثال۔

روس کی مختلف جمہوریتوں کو علیحدہ ہونے کا حق حاصل ہے۔ اور ایک جمہوریت یعنی بیرونی منگولیا تو زبان کے مسئلہ پر اختلافات کی وجہ سے ۱۹۲۲ء میں ایک یا دو سال کے لئے علیحدہ بھی ہو چکی تھی لیکن بعد میں ایک سمجھوتہ کے تحت اس کو واپس آنے کی ترغیب دی گئی۔ روس کی مرکزی حکومت تمام جمہوریتوں میں ایک روسی زبان جاری کرنا چاہتی تھی۔ لیکن بیرونی منگولیا نے اس کے خلاف بغاوت کی اور مرکز سے علیحدہ ہو گیا۔ بالآخر منگولیا کا مطالبہ تسلیم کر لیا گیا اور اس کو مدارس میں اپنی زبان سکھانے کی اجازت دی گئی اور وہ روس کی مشترکہ زبان بھی سکھانے پر راضی ہو گیا۔ بڑی چیز یہ ہے کہ ایک مشترکہ میز پر بیٹھ کر لوگوں کو متحد ہونے کی ترغیب دی جائے۔ اس کے بعد میرا خیال ہے کہ خاندان مشترکہ کے کسی فریق کے لئے علیحدہ ہونا دشوار ہو جائے گا کیوں کہ علیحدہ ہونے والا بہت سے فوائد سے محروم ہو جائے گا اور اس کی علیحدہ زندگی پہلے سے زیادہ بدتر ہو جائے گی۔

کانگریس کا اشارہ۔

میں یہ دیکھ کر خوش ہوں کہ کانگریس بھی صوبہ جات کو مابقی اختیارات دینے کے لئے راضی ہے۔ یہ اشارہ اگرچہ بے معنے ہے مگر اچھا ہے۔ بے معنے اس مفہوم میں کہ وہ ذمہ داری

[illegible]

مملکت
ہفتہ وار

جلد (۲) | ۳۰ مہر شنبہ ۱۳۵۱ ف | نمبر (۲۱)

لیگ کی قرارداد کا پس منظر

مسلم لیگ کی قرارداد بمبئی پر ہمارے ایک مقامی معاصر نے متعدد مضامین اور صحافتی بیانات شائع کئے ہیں بعض بیانات میں یہ کہا گیا ہے کہ لیگ کی قرارداد مایوس کن ہے مگر یہ نہیں واضح کیا گیا کہ مایوس کن ہونے کی وجہ کیا ہے۔ بعض مضامین میں تحریر کیا گیا ہے کہ لیگ نے کانگریس سے مفاہمت کا دروازہ بند کر دیا ہے حالانکہ واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان بیانات اور مضامین کا بہ غور مطالعہ کرنے سے یہ بات صاف طور پر مترشح ہوتی ہے کہ قرارداد کا تجزیہ کر کے اُس کے مضمرات پر غور نہیں کیا گیا۔ ہمارے خیال میں لیگ کی قرارداد پر غیر جانبداری کے ساتھ نکتہ چینی کرنے کے لئے ضروری ہے کہ گرد و پیش کے حالات پر نظر ڈالی جائے، اس قرارداد کے پس منظر کو ملحوظ رکھا جائے، اور یہ دیکھا جائے کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس بمبئی منعقدہ ۸ اگست سنہ ۱۹۴۲ء تک کانگریس کی کیا روش رہی ہے۔ کانگریس کی اس روش پر کانگریس کے ایک قدیم کارکن ڈاکٹر عبدالحمید قاضی نے گزشتہ ماہ کانگریس سے مستعفی ہوتے ہوئے اپنے ایک صحافتی بیان میں روشنی ڈالی ہے جس کا ایک اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

تسلط کی خواہش

”سنہ ۱۹۳۷ء میں بمبئی کی کانگریسی وزارت تشکیل دیتے وقت میں نے اُس وقت کے وزیر اعظم بی جی کھیر کو مجبور کیا تھا کہ وہ اپنی کابینہ میں مسلم لیگ کے نمائندے کو شریک کریں کیونکہ بمبئی اسمبلی کے (۳۰) مسلمان ارکان میں سے (۲۷) مسلم لیگ پارٹی کے تھے۔ مسٹر کھیر شخصی طور پر اس کے لئے آمادہ تھے لیکن انہیں گاندھی جی اور کانگریس کی پارلیمنٹری سب کمیٹی کے احکام کے آگے سر جھکانا پڑا کیونکہ وہ مخلوط وزارت ترتیب دینے سے انکار کر رہے تھے۔ اور مسٹر نورین نوری کو کابینہ میں لے لیا گیا جو نہ تو مسلم لیگ سے تعلق رکھتے تھے اور نہ کانگریسی تھے اور اسمبلی میں انہیں کسی جماعت کی تائید حاصل نہیں تھی۔ اسی طرح دوسرے صوبوں میں بھی مسلمانوں کے حقیقی نمائندوں کو حکومت سے باہر رکھا گیا۔ ...... پھر بھی مجھے اُمید تھی کہ کانگریس اور لیگ میں کسی نہ کسی دن سمجھوتہ ہو جائے گا۔ جب مسٹر راجگوپال اچاری نے یہ مطالبہ کیا کہ خود ارادیت کا حق تسلیم کر لیا جائے تو مجھے بڑی مسرت ہوئی۔ اس سے مسلم لیگ بھی مطمئن ہو جاتی اور کانگریس کے لئے بھی یہ ممکن ہو جاتا کہ لیگ کے ساتھ مل کر کام کرے۔ لیکن میری حیرت اور رنج کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے نہ صرف مسٹر راجگوپال اچاری کی قرارداد کو مسترد کر دیا بلکہ جگت نارائن لال کی قرارداد منظور کر لی جس کی رو سے مسلمانوں کو اُن صوبوں میں بھی خود ارادیت کا حق حاصل نہیں رہتا جہاں وہ اکثریت میں ہیں۔ ...... ”بمبئی کرانیکل“ مورخہ ۱۸ اور ۲۹ جون سنہ ۱۹۴۲ء کے کالموں کے ذریعہ میں نے گاندھی جی سے پرخلوص اپیل کی تھی کہ وہ اس فارمولا کو قبول کریں لیکن اس پر کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ گزشتہ چھ مہینے کے دوران میں کانگریسی لیڈروں کو میں نے یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کو یا تو خود ارادیت کا حق دلایا جائے یا اُن کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے مرکزی حکومت میں ان کو مساوی حیثیت دی جائے۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میری کوئی تجویز قبول نہیں کی گئی۔ اس کے معنے تو صرف یہ ہیں کہ ہندو اپنی عددی قوت کے بل بوتے پر مسلمانوں پر ان کی مرضی کے خلاف تسلط قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ...... راجہ جی لوگوں کو یہ ترغیب دے کر کہ صوبہ جات کے حق خود ارادیت کو تسلیم کر لیا جائے اتحاد ہند کے لئے ایک بیش بہا خدمت انجام دے رہے ہیں۔ مگر یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ کانگریس میں اُن کے لئے زندگی کو ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ کانگریس کی اسمبلی پارٹی میں ان کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کی جا رہی ہے اور راجہ جی جیسے پختہ کار لیڈر کو اس پارٹی کی قیادت سے محروم کیا جا رہا ہے۔ ان آمرانہ حکمتوں کی وجہ سے ان کو کانگریس اور مدراس اسمبلی سے استعفا دینا پڑا۔“

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ملحوظ ہے کہ کانگریس پچیس (۲۵) سال سے یہ نعرہ لگاتی رہی کہ ہندو مسلم اتحاد کے بغیر آزادی ممکن نہیں۔ اس طرح اتحاد کو آزادی کی شرط مقدم قرار دیا تھا لیکن چند ماہ سے گاندھی جی اور کانگریسی لیڈروں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ جب تک ایک تیسری جماعت ہندوستان میں موجود ہے اتحاد ممکن نہیں۔ اس سے غیر کانگریسی حلقے یہ نتیجہ اخذ کر رہے تھے کہ اگر اقتدار کانگریس کے ہاتھ میں منتقل ہو جائے تو دوسری جماعتیں اور فرقے قوت کے آگے سر جھکا دیں گے اور اس طرح اتحاد پیدا ہو جائے گا۔ اگست سنہ ۱۹۴۲ء کے پہلے ہفتہ میں جبکہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس بمبئی میں منعقد ہو رہا تھا کانگریسی لیڈر اپنے جدید نعروں کی تعبیر کرنے لگے اور یہ سمجھے گئے کہ جگت نارائن لال کی قرارداد سے مفاہمت کا دروازہ بند نہیں ہوتا۔ اس کے بعد کانگریس کی وہ قرارداد منظور ہوئی جس میں لیگ سے سمجھوتہ کے بغیر اجتماعی سیول نافرمانی کی دھمکی دی گئی تھی اور جس کے نتیجہ کے طور پر کانگریسی لیڈر گرفتار کر لئے گئے اور ملک کے طول و عرض میں قانون شکنی اور بد امنی پیدا ہو گئی۔

قرارداد کے اہم اجزا

ان حالات میں مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد ہوا۔ اُس وقت جو اخباری اطلاعات مل رہی تھیں اُن سے ظاہر ہوتا تھا کہ مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے ارکان میں اختلاف رائے موجود ہے لیکن مجلس عاملہ نے متفقہ طور پر ایک قرارداد منظور کی جس میں گفت و شنید اور مفاہمت کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہے۔ اس قرارداد کے اہم اجزا تین ہیں:۔ (۱) موجودہ اجتماعی تحریک۔ (۲) پاکستان کا نصب العین (۳) عارضی حکومت۔

یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ مسلم لیگ نے مسلمانوں کو موجودہ اجتماعی تحریک سے صرف علحدہ رہنے کا مشورہ دیا ہے اور یہ توقع ظاہر کی ہے کہ کسی گوشے سے مسلمانوں کو کسی طرح کی تحریف جبر یا دق کرنے یا اُن کی روزمرہ زندگی میں خلل اندازی کرنے کی کوشش نہ کی جائے گی۔ اپنے سابقہ بیانات میں مسٹر جناح نے یہ اعلان کیا تھا کہ مسلمان کانگریس کی تحریک سیول نافرمانی کو اپنے مقاصد اور نصب العین کے خلاف ایک دھمکی تصور کریں گے اور اس کی مزاحمت کی جائے گی۔ مگر حالیہ قرارداد میں اس تحریک سے مسلمانوں کو صرف علحدہ رہنے کا مشورہ دیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کانگریس سے

کوئی تصادم نہیں چاہتی بلکہ آمادۂ مفاہمت ہے۔

پاکستان کے اصول میں سے بحث کرتے ہوئے قرارداد بمبئی میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو تسلیم کر لیا جائے۔ اور طریقہ یہ تجویز کیا گیا ہے کہ متعلقہ علاقوں کی مسلم رائے عامہ حاصل کی جائے اور یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ اگر مسلم کثرتی صوبوں کے مسلمان ہندوستانی یونین سے علیحدہ رہنا چاہیں تو دستور سازی کے وقت انہیں حق علیحدگی دیا جائے۔

مفاہمت پر آمادگی

بعض حلقوں کا خیال ہے کہ لیگ کی قرارداد کا اہم حصہ وہ ہے جس میں عارضی حکومت کی تشکیل سے بحث کی گئی ہے۔ لیگ نے یہ واضح کرتے ہوئے کہ وہ صرف پاکستان اور مسلم آزادی کی علمبردار ہے بلکہ ہندوستان اور ہندوؤں کی آزادی بھی چاہتی ہے ہندوستان کی ایک عارضی حکومت تشکیل دینے سے متعلق تجاویز پر غور کرنے اور کسی جماعت سے بھی مساوات کی اساس پر گفت و شنید کرنے اپنی آمادگی کا اظہار کیا ہے۔ اب تک مسٹر جناح یہ کہتے آئے تھے کہ موجودہ قانون حکومت ہند کے چوکھٹے کے اندر عارضی حکومت تشکیل دی جائے اور وہ مرکزی حکومت میں کوئی ایسا تغیر نہیں چاہتے تھے جس سے پاکستان کا نصب العین متاثر ہو۔ مگر حالیہ قرارداد میں یہ شرط انتقال دی گئی ہے اور لیگ کی مجلس عاملہ ایک قدم آگے بڑھ کر اس بات پر رضامندی کا اظہار کر دی ہے کہ کامل اختیارات کے ساتھ ایک عارضی مرکزی حکومت تشکیل دی جائے۔ چنانچہ مسٹر جناح نے ایک ملاقات میں اخباری نمائندوں سے کہا ہے کہ ان اختیارات کی کوئی حد نہیں جو عارضی حکومت کے ہاتھ منتقل ہوں گے۔ دوسرے الفاظ میں لیگ بھی اس خصوص میں کانگریس کی ہمنوا ہے کہ کامل اقتدارات برطانیہ سے ہندوستانیوں کے ہاتھ منتقل کئے جائیں۔ قرارداد کے اس حصہ میں کانگریس سے گفت و شنید کی ایک بنا مہیا کی گئی ہے۔ بعض مقامی جرائد کا کہ مفاہمت کا راستہ مسدود کر دیا گیا ہے درست نہیں ہے۔ چنانچہ کانگریس کے ایک ترجمان بمبئی کرانیکل نے اس قرارداد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> اس نے گفت و شنید کا دروازہ بند نہیں کیا۔ کانگریس نے اپنی قرارداد دہلی میں حق خود ارادیت کے اصول کو تسلیم کر لیا ہے جس کی بنیاد پر راہ راست گفت و شنید کی جا سکتی ہے۔ اگر حکومت سمجھوتہ چاہتی ہے تو اس کو چاہئے کہ کانگریس اور لیگ کی مجلس عاملہ کو فوراً رہا کر دے تاکہ ان جماعتوں کا اجتماع کیا جا سکے۔

اخباری اطلاعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسٹر راجگوپال اچاری عنقریب مسٹر جناح سے ملاقات کرنے کے لئے بمبئی جانے والے ہیں۔ مسٹر جناح سے ملنے کے بعد وہ کانگریس اور لیگ کے سمجھوتہ کے سلسلہ میں گاندھی جی سے بھی ملیں گے۔ یہ توقع بیجا ہوگی کہ اس دفعہ راجہ جی کی کوششیں بار آور ثابت ہوں گی۔ ہم یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت جبکہ کانگریسی لیڈر جیل میں ہیں مفاہمت کے لئے پیش قدمی کرنے کی ذمہ داری لیگ کے قائدین پر عاید ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ حکومت ہند کا بھی یہ فرض ہے کہ دونوں جماعتوں کے لیڈروں کو ملنے اور گفتگوئے مفاہمت شروع کرنے کے لئے جملہ سہولتیں فراہم کرے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ لیگ اور کانگریس کے سمجھوتہ پر ہندوستان کا مستقبل منحصر ہے۔

اصلاحات کا دوسرا قدم

ضلع کانفرنسوں کے انعقاد کے بعد سے یہ سنا جا رہا تھا کہ بہت جلد دستوری اصلاحات کا دوسرا قدم اٹھایا جائے گا اور آئینی مشاورتی کمیٹیوں کا قیام عمل میں آئے گا۔ ہفتہ گزشتہ ان کمیٹیوں سے متعلق تفصیلی قواعد جریدہ اعلامیہ میں شائع ہو چکے ہیں جو اس ہفتہ وار میں کسی اور جگہ درج ہیں۔ ان کمیٹیوں کا تعلق فینانس، امور مذہبی، صنعتی و دیہی ترقی، تعلیم، صحت عامہ اور ہندو مسلم اوقاف سے ہوگا۔ ان میں سرکاری اور غیر سرکاری ارکان کی تعداد مساوی ہوگی۔ یہ کمیٹیاں مماثل نوعیت کی دوسری کمیٹیوں سے بالاتر متصور ہوں گی کیونکہ ان کو دستور حکومت کا ایک جزو قرار دیا گیا ہے۔ ان کمیٹیوں کے ساتھ عملاً قومی تعمیر کے تمام محکموں پر حاوی ہوں گے۔ دستور میں ان کمیٹیوں کو ایسے مخصوص اختیارات عطا کئے گئے ہیں جن کی نوعیت بہت دور رس ہے۔ جو امور ان کمیٹیوں میں زیر بحث لائے جائیں گے ان کی نسبت پالیسی اور جو مصارف سے متعلق سوالات پر بھی بحث کی جائے گی اور ارکان کی رائے حاصل کی جائے گی۔ اس کے علاوہ صدر المہام ان متعلقہ ایسے امور بھی کمیٹی کے آگے پیش کریں گے جن کی نسبت وہ ارکان کی رائے حاصل کرنا مناسب سمجھتے ہوں۔ ان کمیٹیوں میں مالیات کی کمیٹی خاص اہمیت رکھتی ہے کیونکہ موازنہ کی صحیح ترتیب پر ملک کی خوشحالی کا دارومدار ہے۔ مالیات کی کمیٹی کے قواعد میں صدر المہام فینانس پر لازم گردانا گیا ہے کہ وہ موازنہ کو حکومت کے آگے پیش کرنے سے قبل مالیاتی کمیٹی کی رائے حاصل کرے۔ حیدرآباد کے موازنہ پر مختلف نقاط نظر سے اعتراضات ہوتے رہے ہیں۔ ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ ہمارے موازنہ میں قومی تعمیر کے محکموں کے لئے زیادہ رقم مہیا نہیں کی جاتی۔ ہمارے خیال میں ان پبلک کارکنوں کو جو اس کمیٹی میں کام کریں گے یہ موقع حاصل رہے گا کہ ملک کی ضروریات سے ارباب حکومت کو مطلع کریں اور ان ضروریات کی جانب ان کی توجہ دلائیں۔ مالیاتی کمیٹی کے دائرہ عمل کی وضاحت کرتے ہوئے قواعد میں بتلایا گیا ہے کہ:

> "ان قواعد کی رو سے صدر المہام فینانس پر لازم ہوگا کہ وہ موازنہ کے علاوہ کوئی ایسی اسکیم جس سے کوئی نیا محصول عائد ہوتا ہے یا محاصل میں اضافہ ہوتا ہے نیز توفیر آمدنی و تخفیف مصارف کے اہم مسائل ان خاص کمیٹیوں کی رپورٹیں اور سفارشات جنہیں مذکورہ امور میں سے کسی امر پر غور کرنے کی غرض سے سرکار عالی نے مقرر کیا ہو یا مذکورہ امور میں سے کسی امر پر مسودۂ قانون وغیرہ کو بحث و اظہار رائے کے لئے کمیٹی کے آگے پیش کریں۔
>
> علاوہ ازیں صدر اپنے صوابدید سے ایسے دوسرے امور بھی کمیٹی کے سامنے پیش کر سکیں گے جن کی نسبت وہ کمیٹی کا مشورہ حاصل کرنا یا اس کے خیالات معلوم کرنا چاہیں۔"

مختلف مفادات اور حکومت کے مابین زیادہ قریبی ربط اور اشتراک کا ایک ذریعہ ان کمیٹیوں کے قیام سے پیدا کیا جا رہا ہے۔ اب پبلک کارکنوں کا یہ فرض ہے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں اور ان کمیٹیوں میں شریک ہو کر اپنے تجربہ اور مشوروں سے ملک کی صحیح خدمت انجام دیں۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ان کمیٹیوں کی نسبت ——— جن کا دائرہ عمل اس قدر وسیع ہے اور جن سے دور رس نتائج پیدا ہو سکتے ہیں ——— مسٹر جناردھن راؤ دیسائی اور مسٹر راماچاری نے کس بنا پر یہ فرمایا کہ ان سے کوئی مفید نتیجہ حاصل نہ ہوگا۔ ہم یہاں سیاسی اختلافات میں الجھے بغیر صرف یہ کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ دور از کار اور بے سود نعرے لگانے سے یہ بہتر ہے کہ ایسی کمیٹیوں میں شریک ہو کر کوئی ٹھوس کام کیا جائے۔ مسٹر جناردھن راؤ اور مسٹر راماچاری سے زیادہ حیرت انگیز مسٹر نرسنگ راؤ ایڈیٹر رعیت کا یہ خیال ہے کہ "مشاورتی کمیٹیوں کے ذریعہ عوام کا وہ اتحاد عمل حاصل نہیں ہو سکتا جو کامیاب انصرام جنگ اور جنگ جیتنے کے لئے ضروری ہے۔" ہمارے محترم دوست سے ہم یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ انصرام جنگ سے ان مشاورتی کمیٹیوں کو کیا تعلق ہے؟ ان کمیٹیوں کی سفارش تو جنگ سے بہت پہلے اصلاحاتی کمیٹی نے کی تھی۔ یہ حیدرآباد کے دستور کا ایک مستقل جزو ہیں۔ بیرونی معاملات سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ انصرام جنگ کے لئے حیدرآباد میں دوسری کمیٹیاں کام کر رہی ہیں۔ جب اعتراض کی گنجائش نہ ہو تو انصرام جنگ کو حیلہ بنانا صحیح رہنمائی نہیں ہے۔

سلطنتِ آصفیہ کا آئینی رتبہ

از جناب ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب

کسی ملک کے آئینی رتبہ کا تعین ان معاہدوں سے کیا جاتا ہے جو اس نے دوسرے ملکوں کے ساتھ کئے ہوں۔ چنانچہ سلطنت آصفیہ کی آئینی حیثیت بھی ان معاہدوں سے معلوم ہوتی ہے۔ جو وقتاً فوقتاً انگریزی حکومت اور اس کے درمیان مختلف مسائل کو طے کرنے کی غرض سے ہوئے۔ سلطنت آصفیہ اور انگریزی حکومت کے تعلقات کی نوعیت بجائے خود اپنی نظیر آپ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انگریزی بالادستی ہندوستان میں قائم ہونے کے بعد دیسی ریاستوں کی دو قسمیں قرار پائیں۔ ایک تو وہ جن کے حقوق ماخوذ تھے اور دوسری وہ جن کے حقوق اصلی (اوریجنل) تھے۔ سلطنت آصفیہ کا شمار ثانی الذکر میں کیا جاتا ہے۔ سلطنت آصفیہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے جو معاہدے کئے وہ مساویانہ حیثیت سے کئے گئے۔ دیگر معاہدوں میں بھی فرق ہوتا ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اودھ، میسور اور بڑودہ سے جو معاہدے کئے ان کی رو سے اس کو ان ریاستوں کے اندرونی معاملات میں بھی مداخلت کے حقوق حاصل ہو گئے اور بیرونی معاملات پر تو کمپنی پہلے ہی حاوی ہو چکی تھی۔ بعض ریاستوں کے باب میں یہ اختیار بھی کمپنی کے صوابدید پر منحصر تھا کہ مداخلت کے لئے کن مواقع کو منتخب کیا جائے۔ برخلاف اس کے سلطنت آصفیہ اور راجپوتانہ کی بعض ریاستوں کے ساتھ کمپنی نے جو معاہدے کئے ان میں صرف خارجی امور پر اپنی نگرانی قائم کی اور اندرونی نظم و نسق میں انہیں بالکل آزاد چھوڑ دیا۔

سلطنت آصفیہ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان سب سے پہلا معاہدہ ۱۷۵۹ء میں ہوا جس کی رو سے نواب صلابت جنگ نے شمالی سرکاروں میں کمپنی کے وہی حقوق تسلیم کرنے جو پہلے فرانسیسیوں کو حاصل رہے تھے۔ اس کے بعد ۱۷۶۶ء اور ۱۸۰۰ء کے عہدناموں میں میر نظام علی خان آصف جاہ ثانی نے اپنی سلطنت کی حفاظت کے لئے انگریزی فوج رکھنا قبول کیا اور اس کے اخراجات برداشت کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کی نظیر پچھلے دو سو سال کی یورپ کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی کہ مختلف دول کے معاہدوں میں ایسے معاہدے ہوئے ہوں۔ جن کے بموجب ایک مملکت دوسری مملکت کی حفاظت اپنی فوج رکھا کرے۔ کمپنی نے جو فوج سلطنت آصفیہ کے حدود کے اندر متعین کی اس کے استعمال کا انحصار کمپنی کی مرضی پر تھا نہ کہ سرکار نظام کی۔ چنانچہ جنگ کھرڈا میں میر نظام علی خاں کمپنی کی فوج کو استعمال کرنا چاہتے تھے۔ لیکن سر جان شور اور ان کی کونسل نے انہیں ایسا کرنے نہ دیا۔

بعد میں لارڈ ولزلی کے عہد حکومت میں ۱۷۹۸ء اور ۱۸۰۰ء کے معاہدوں کی رو سے کمپنی نے سرکار نظام کے ساتھ [illegible] حفاظت کی ذمہ داری [illegible] کے ساتھ کہ سرکار نظام خارجی امور کو کمپنی کے تابع کر دے۔ فرانسیسیوں کو اپنے ہاں ملازم نہ رکھے اور کسی دوسرے والی ملک سے بغیر کمپنی کے استصواب کے کوئی سیاسی تعلق نہ رکھے۔ یہ شرائط ان سب ریاستوں کے ساتھ رکھی گئیں جنہوں نے عہد معاونت (سب سیڈیری الائنس) کے اصول کے تحت کمپنی کی بالادستی اپنے خارجی معاملات میں تسلیم کر لی تھی۔ بظاہر یہ معاہدے بین الاقوامی معاہدوں کی قسم کے ہیں لیکن اگر ان کا تجزیہ کیا جائے تو انہیں دستوری معاہدے کہا جائے گا۔ جن کی نوعیت اول الذکر سے مختلف ہوا کرتی ہے اور جس سے نئے سیاسی حالات کے نشوونما میں مدد ملتی ہے۔ بین الاقوامی معاہدوں میں چونکہ اقتدار اعلیٰ کا مسئلہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اس کا امکان ہی نہیں ہوتا کہ ایک مملکت دوسری مملکت کی حفاظت کے لئے اپنی فوج مستقل طور پر رکھے اور اس کے اخراجات کا بار اس مملکت پر ہو جس کے علاقے میں فوج رکھی گئی ہو۔

مارکوئیس آف ہیسٹنگز نے قوت بالادستی کی مداخلت کو اصولی طور پر حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس مداخلت کی دو صورتیں ممکن بتلائی گئیں۔ ایک تو اس صورت میں انگریزی حکومت کسی دیسی ریاست کے معاملات میں مداخلت کر سکتی ہے جب کہ رعایا والی ملک کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو جائے اور مداخلت کی دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ والی ملک اپنے حق حکومت کو مناسب طور پر استعمال نہ کرے۔ غرض کہ دونوں صورتوں میں حکومت ہند تمام ہندوستان کی قوت بالادست (پیرامونٹ پاور) کی حیثیت سے مداخلت کا حق رکھے گی۔

حکومت ہند اور دیسی ریاستوں کے تعلقات میں معاہدوں کے علاوہ رسم و رواج کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مثلاً جانشینی کے مسئلہ میں قوت بالادست کا استصواب لازمی ہے۔ نواب میر نظام علی خاں کے انتقال پر ۱۸۰۳ء میں لارڈ ولزلی نے سکندر جاہ کی جانشینی بعض خاص شرائط اور مراعات کو منظور کرانے کے بعد تسلیم کی اور ان کے دوسرے بھائیوں کو اپنی خاص مصلحتوں کے مد نظر جانشینی کے لئے موزوں نہیں خیال کیا۔ اس وقت سے آج تک جانشینی کے معاملہ میں حکومت ہند کی مرضی درکار ہوتی ہے۔ اور دوسری سب ریاستوں میں بھی یہی حال ہے۔ اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ سلطنت آصفیہ اور انگریزی حکومت کے مابین اب تک جتنے معاہدے ہوئے ہیں ان میں سے کسی میں بھی اس کی صراحت نہیں کہ حکومت کی مرضی کے بغیر والی ملک کا جانشین مقرر نہیں ہو سکتا۔ یہی صورت وزیر اعظم کے عہدہ پر کسی شخص کو مقرر کرنے کی پیش آتی ہے۔ سلطنت آصفیہ کا وزیر اعظم گذشتہ سو سال سے انگریزی حکومت کے استصواب سے مقرر کیا جاتا ہے حالانکہ حکومت سرکار عالی پر اس کی پابندی کسی معاہدہ کی رو سے عائد نہیں ہوتی۔ غرض کہ رسم و رواج اور حکومت ہند کے پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ کی روایات جو وجود میں آ چکی ہیں بمنزلہ معاہدے کے تصور کی جاتی ہیں اس واسطے کہ ان پر عرصے سے عملدرآمد ہو رہا ہے۔ لیکن اس ضمن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی ایسا عملدرآمد قائم ہو گیا ہو جو دراصل سلطنت کے خلاف ہو تو اس کو محض ایسی بنا پر کیونکر برقرار رکھا جا سکتا ہے کہ کچھ عرصے سے ایسا ہی ہوتا چلا آ رہا ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ کسی معاہدہ کی رو سے اس کی تائید نہ ہوتی ہو۔

۱۸۵۸ء میں جب کہ حکومت ہند کی تمام ذمہ داری ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ سے نکل کر تاج برطانیہ کو منتقل ہوئی تو اس وقت دیسی ریاستوں کے مقابلہ میں کمپنی کی بالادستی کے حقوق غیر متعین تھے۔ کیننگ سے لے کر اب تک حکومت ہند کی یہ پالیسی رہی کہ دیسی ریاستوں کا آئندہ بھی الحاق تو نہ کیا جائے لیکن پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ کے دخل کو کلی طور پر ریاست میں مؤثر بنانے کی کوشش کی جائے۔ اس ضمن میں چھوٹی اور بڑی ریاستوں میں اور ان ریاستوں میں جن کے سیاسی حقوق اصلی تھے اور ان میں جن کے سیاسی حقوق ماخوذ تھے بہت کم فرق کیا گیا۔ حکومت ہند کے اس طرز عمل سے بڑی اور اصلی حقوق رکھنے والی ریاستوں کو جائز طور پر شکایت کا موقع پیدا ہوا۔ اب کچھ عرصے سے اس فرق و امتیاز کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور ۱۹۳۵ء کے قانون حکومت ہند میں جو وفاقی حکومت کی تشکیل کی گئی ہے۔ اس میں بھی اس اہم نکتہ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

اب تک حکومت ہند اور دیسی ریاستوں کے مسئلہ کی نوعیت دستوری رہی ہے لیکن اب بعض گوشوں میں یہ رجحان پیدا ہو گیا ہے کہ اس کی نوعیت بجائے دستوری کے بین الاقوامی تصور کی جائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ سلطنت آصفیہ پورے ملک کی ترقی کے راستہ میں کبھی نہ روڑا بنی ہے اور نہ آئندہ کبھی بنے گی لیکن اس کے ساتھ ہی اس سلطنت ابد قرار کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے اس آئینی رتبہ کو تسلیم کرائے جو آصف جاہ اول نے ۱۷۲۴ء میں اپنی جد و جہد سے اس کے لئے حاصل کیا تھا۔ یہ نہ صرف اس کا تاریخی حق ہے بلکہ اس کو موجودہ حالات میں نفسیاتی اہمیت بھی حاصل ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہر ملک کا آئینی رتبہ اس کی سیاسی قوت کا عکس ہوا کرتا ہے۔ جدید حیدرآباد کی تعمیر میں جو قوائے نفسیاتی برسرکار ہیں ان کا تقاضا یہی ہے کہ سلطنت آصفیہ اپنے اس آئینی رتبہ کو حاصل کرے جس کی وہ حقیقت میں مستحق ہے۔

دکنی تمدن کا ارتقاء

تقریر مسٹر بابو سنگھ جو نشرگاہ اورنگ آباد سے نشر ہوئی

حضرت بندگان عالی شہریار دکن دربار نے کل ہند تاریخی کانفرنس کے موقع پر صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی کے ذریعہ جو پیام روانہ فرمایا ہے وہ یہ تھا۔

"ہندوستان کی تاریخ میں میری ریاست کو جو تاریخی اور تمدنی اہمیت حاصل ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے فلسفۂ تاریخ اور مختلف علوم پر تحقیقاتی کام کے لئے یہاں وسیع میدان موجود ہے"۔ بندگان عالی نے اسی پیغام میں ارشاد فرمایا کہ اس ریاست کے بانی نظام الملک آصفجاہ اول کے زمانہ سے یہاں امن اور اتحاد قائم ہے، امن اور اتحاد قائم کرنا علوم و فنون کو ترقی دینا یہ ہماری روایات قدیم کے مطابق ہے۔ اور اس وجہ سے ہماری ریاست تعلیم اور تمدن کا گہوارہ ہے۔ ہمارے بادشاہ ذیجاہ و سلطان العلوم نے گویا اس پیغام میں دکنی تمدن کے ارتقاء کا مختصر سا خاکہ پیش فرمایا۔

کسی قوم کی ترقی اس کے ماضی کا پر تو ہوتی ہے۔ ہمارے یہاں کے تمدن میں آریہ، دراوڑی، حبشی اور منگولین اقوام کے لوگ شامل ہیں یہ کس سے کہا جائے کہ زبان، مذہب، فلسفہ اور اخلاق کے علوم ہم کو ہندوستان ہی میں ملے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ انسانیت کی تاریخ میں جملہ علوم کا ذخیرہ ہندوستان ہی میں پایا جاتا ہے۔ دکنی تمدن کو سمجھنے کے لئے ہم کو اس کی گذشتہ تاریخ کا مطالعہ کرنا ضروری ہے کئی سو سال قبل مسیح کے آثار قدیم ہمارے یہاں پائے جاتے ہیں۔ اسی نسل کے لوگ اور کرناٹک میں پائے جاتے ہیں۔ اور وہی قدیم زبان بولتے ہیں۔ اسی طرح مرہٹواڑی میں بھی ان کے آثار پائے جاتے ہیں ہماری ریاست میں آندھرا چالوکیہ راشٹرکوٹ جیسی سلطنتوں کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ ۱۳۱۸ء کے بعد سے جبکہ مسلمان دکن میں آئے اور ۶۰۰ سو سال ان کا یہاں قیام رہا تو ان کے تمدن اور ماحول سے یہاں کے مذہبی اور معاشرتی حالات ایک دوسرے سے متاثر ہوئے۔ چنانچہ مندر، مسجد، درگاہ وغیرہ کی تعمیر میں ہر دو اثرات ملے جلے نمایاں نظر آتے ہیں۔ ریاست کی چار زبانوں یعنی اردو مرہٹی، کنڑی، تلنگی پر بھی تمدنی اثرات واضح نظر آتے ہیں۔ ہماری ریاست میں مختلف مذاہب اور اقوام کے لوگ بستے ہیں۔ اجنٹہ اور ایلورہ کے آثار قدیم جہاں بدھ اور جین مذہب کی یادگار ہیں ان کی تصویروں کی صورت میں محفوظ ہیں۔ ان ہی مقامات میں دکن کی صناعی اور سنگتراشی کی نفیس آج یہ مقامات دنیا بھر میں شہرت رکھتے ہیں۔ اور عجائب عالم میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ہندو اور مسلمانوں میں یورپ کی طرح کبھی مذہبی جنگیں نہیں ہوئیں۔ البتہ سیاسی حالات کی وجہ سے جنگیں ضرور ہوئیں۔ مسلمان بادشاہوں کے تحت ہندو ملک کے بڑے بڑے عہدہ دار وہ وزارت کے ساتھ اپنا کام انجام دیتے رہے دکنی تمدن کی خصوصیت یہ ہے کہ علوم و فنون کی ترقی اور ارتقا کے لئے پوری کوشش کی جاتی ہے اور سادگی پر یہاں کی زندگی ہے۔ حضرت بندگان عالی نے دکنی تمدن کی ایک نئی بنیاد ڈالی ہے۔ جس میں یہ تمام چیزیں شامل ہیں ہر تعلیم یافتہ نوجوان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اس تمدن کی ترقی کے لئے کوشش کرے۔ اور مشترکہ زبان و ادب کی ترقی کی کوشش کرے۔ قومی زبان میں تعلیم کو رواج دینے کا سہرہ ہماری ہی ریاست کے سر ہے۔ یہی زبان جس میں ہم تعلیم پاتے ہیں ہماری مشترکہ زبان ہے جسے ہم اُردو یا ہندوستانی کہتے ہیں۔

نفاذ انکم ٹیکس کی ضرورت

(تقریر سیٹھ رامیشور راؤ ریشنوئی اے ایل ایل بی جو نشرگاہ اورنگ آباد سے نشر ہوئی)

ہماری ریاست حیدرآباد میں اب تک انکم ٹیکس عائد نہیں کیا گیا ہے۔ اس ٹیکس کے نفاذ کے متعلق غور و خوض کیا جا رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس کا نفاذ کیا جائے تو اس ناذ محصول کو کس کام میں لایا جائے۔

ہماری گورنمنٹ کی سالانہ آمدنی گذشتہ سرکاری محاسبہ کی رو سے یوں رہی۔

مالگزاری (۲ ۱/۲) کروڑ، محکمہ آبکاری (۱ ۳/۴) کروڑ، ریلوے کی آمدنی ایک کروڑ ۵۰ لاکھ روپیہ، کروڑگیری ایک کروڑ میں اور دیگر مدات سے (ڈھائی کروڑ) جملہ (۱۰ ۱/۴ کروڑ) گورنمنٹ کے اخراجات بھی تقریباً اتنے ہی ہے۔ اسی لحاظ سے یہ سوال اہم ہو جاتا ہے کہ ہماری گورنمنٹ کو ایک مزید ٹیکس عائد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری ریاست میں صنعتی ترقی کے سلسلہ میں ابھی بہت کچھ کام ہونے باقی ہیں جس کا مطالبہ پبلک کی طرف سے بھی کیا جا رہا ہے۔ ایسی صورت میں اخراجات ضرور بڑھ جائیں گے۔ جس کے لئے لازماً گورنمنٹ کو کسی جدید ذریعہ آمدنی نکالنا پڑے گا۔ اسی طرح گذشتہ تین سال سے ہماری گورنمنٹ نے موجودہ جنگ عظیم کے اخراجات کا بیشتر بار برداشت کیا ہے۔ صنعتی نقطۂ نظر سے ہماری ریاست ابھی بہت پیچھے ہے۔ چند کپڑے کی گرنیاں ہمارے یہاں قائم ہیں۔ دو ایک شکر کا کارخانہ اور دو تین سگریٹ کے کارخانے اور سیمنٹ کے کارخانوں کے علاوہ کوئی صنعتی کارخانے قابل ذکر نہیں ہیں۔ ریاست کی آبادی اور کپاس کی پیداوار کے لحاظ سے ریاست میں کپڑے کی گرنیوں کے لئے کافی گنجائش ہے۔ اور اسی طرح کانچ کے کارخانے کاغذ سازی اور صابن کے کارخانے لوہے کے سامان اور مشنری بنانے کے کارخانے دیا سلائی وغیرہ مختلف اشیاء کے کارخانے ریاست میں قائم ہو سکتے ہیں اور ملک کے لئے سرکاری اور خانگی دونوں طریقے سے کوشش کی جاتی ہے۔ ان کارخانوں کے قیام کے لئے ناکافی روپیہ کے سرمایہ درکار ہے۔ اور اسی طرح تعلیم دیہی اور ترقی زراعت کے تدابیر سرکار کے زیر غور ہیں۔ ریاست کی کثیر آبادی جو ان پڑھ اور جاہل ہے اور اس کو تعلیم یافتہ بنانے کے لئے بھی کوئی تدبیر سوچنی چاہئے۔ اور یہ تمام ترقیاں بغیر اضافہ آمدنی ناممکن ہیں۔ اور اس کے مد نظر انکم ٹیکس کے سوا اور کوئی بہتر ذریعہ آمدنی ہو سکتا جو دولت مند اور خوشحال طبقوں پر عائد کیا جاتا ہے۔ اور اس لحاظ سے جو شخص زیادہ دولت مند ہے اس کا فرض ہے کہ وہ سرکار میں زیادہ ٹیکس ادا کرے۔ یہ اصول نہایت ہی خوبی سے جاری کیا جا سکتا ہے۔ اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ غور سے دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہماری ریاست کے مالدار طبقہ پر ٹیکس کا بار بہت کم ہے۔ یہ امر قابل اعتراض ہے موجودہ آمدنی کا ثلث حصہ مالگزاری سے وصول ہوتا ہے اور اس کا زیادہ تر بار غریب کاشتکاروں ہی پر پڑتا ہے۔ آمدنی کے بڑے وسائل زیادہ تر آبادی کے غریب طبقہ ہی سے وصول کئے جاتے ہیں۔ بس ریاست کے بڑے بڑے کارخانوں کے مالک ساہوکار تجار، جاگیردار اور دیگر خوشحال حضرات پر اگر یہ ٹیکس عائد کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ اس ٹیکس سے جو آمدنی ہو اس کا خرچ کس طرح کیا جائے۔ اخبار دکن کرانیکل نے اس ٹیکس کے مصرف کے بارے میں لکھا ہے کہ اس ٹیکس سے جو آمدنی ہوگی اس کو امداد جنگ اور جنگ کے کار آمد اشیاء کے بنانے میں صرف کیا جائے۔ ختم جنگ پر یہ ٹیکس قیام کارخانہ جات، زراعت کی ترقی اور تعلیم دیہی کے کاموں پر صرف ہونا چاہئے۔ اس طرح اس ٹیکس کا نفاذ رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے مفید اور سود مند ثابت ہوگا۔

آئینی مشاورتی کمیٹیاں

عمالی نمایندگی کا مطالبہ

انجمن ملازمین ریلوے سرکار عالی کی مرکزی مجلس کا ایک اجلاس کل شب میں منعقد ہوا جس میں مشاورتی کمیٹیوں میں عمالی نمایندگی سے متعلق حسب ذیل قرارداد منظور کی گئی۔

"اب چونکہ جدید دستوری اصلاحات کے سلسلہ میں جس کا مقصد حکومت اور عوام میں قریبی ربط قائم کرنا ہے حکومت سرکار عالی مشاورتی کمیٹیاں عمل میں لا رہی ہے، مرکزی مجلس یہ گزارش کرتی ہے کہ صنعتی کمیٹی کی تشکیل میں عمال کی کافی اور موزوں نمایندگی کا لحاظ رکھنا حکومت کے لئے بالکل انصافانہ اور مناسب اقدام ہوگا۔ اس لئے کہ ملک کی صنعتی ترقی کے لئے یہ ضروری امر ہے کہ مزدور طبقہ جو سماج کا ایک اہم اور پیداواری جز ہے اس کے مفاد کی حفاظت کی جا سکے"۔

معلوم ہوا ہے کہ اس قرارداد کو معتمد ملازمات اور معتمد صاحب امور دستوری کی خدمات میں روانہ کر دیا گیا ہے۔

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

گیہوں اور آٹے کے راشن کے سلسلے میں یہ طے ہوا ہے کہ منتخب ارکان بلدیہ راشننگ کنٹرولر ہوں گے۔

(اورینٹ پریس)

اگر کوپن کی درخواستیں ان چیدہ شہری کمیٹی میں پیش ہوا کریں تو اندیشہ ہے کہ ہر کوپن کی بقدار مقرر کرنے کے لئے خطرناک مباحثے ہوں گے۔ کئی خفیہ اجلاس ہوں گے۔ بعض ارکان واک آؤٹ کریں گے۔ بعض تحریکات پیش کریں گے۔ اگر اس طرح بلدیہ کی روایات کو قائم رکھا گیا تو انشاء اللہ تعالیٰ گیہوں کے کوپن بعد ختم جنگ ضرور مل جائیں گے۔

اور ہاں! ہم یہ کہنا تو بھول ہی گئے اگر کوئی صاحب وارڈ کے رکن منتخبہ [illegible] کے عارضی یا مستقل پتہ اور ملنے کے اوقات سے مطلع کریں تو ہم ان کی خدمت میں ایک پیکٹ گیہوں کے کوپن (اگر مل جائیں) تحفتہً پیش کریں گے۔

مجھ سے پوچھا جائے گا کہ ہم متوازی اداروں کے متعلق اعلان کر چکے ہیں لیکن جمعیت المشائخ کے قیام کا کیا مقصد؟ آپ مطمئن رہیں آپ کے بازوؤں کی طاقت تنہا اپنے بازوؤں میں جمع کرکے اس کو قبل دوں گا جو ایک ہی مقصد سے کرائیں اور مسلمانوں کو بانٹ دیں۔ ایک مقصد کے دو ادارے بنانا اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنا ہے۔ (قائد ملت)

اب ہمیں معلوم ہوا کہ غیر رجسٹر شدہ قدیم جمعیت المشائخ اور رجسٹر شدہ جدید جمعیت المشائخ دو متوازی ادارے نہیں ہیں اور نہ ان کے مقاصد ایک ہیں۔ اور چونکہ اب بازوؤں میں قوت جمع کرکے چھینے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا اس لئے ہر خورد و کلاں مطمئن ہے اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اس طمانیت کی بھی رجسٹری کرا دی گئی ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ پیام رسانوں کی تنظیم کے آخری مرحلے مکمل پا رہے ہیں یہ تنظیم آر پی کی کارروائیوں کا اہم جزو ہے۔ (اورینٹ پریس)

ہم حکومت کے ممنون ہیں کہ اس نے نئے آر پی کے محکمہ قائم کرکے ملک کے نوجوانوں کی بڑی خدمت کی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس تنظیم کے بعد حیدرآباد میں ناکتخدا لڑکے اور لڑکیوں کی پریشانی جاتی رہے گی۔

قانون تحفظ ہند کے تحت بمبئی کے بلدیہ کے صدر کی گرفتاری سے بلدیہ بمبئی کی کارروائیاں معطل پڑی تھیں جس کی وجہ سے حکومت بمبئی کو قانون بلدیہ بمبئی میں ترمیم کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ اس ترمیم کی رو سے ناظم بلدیہ کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اجلاس بلدیہ طلب کر سکے گا۔ اجلاس کے لئے (۲۵) ارکان کے نصاب کے بجائے (۱۵) کا نصاب مقرر کیا گیا اور مجلس بلدیہ میں تحریک التوا پیش کرنے کے لئے ارکین مجلس کی ۲/۳ اکثریت لازمی قرار دی گئی ہے۔ نیز صدر نشین کی غیر موجودگی میں اس کے بعض اختیارات ناظم کو استعمال کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ (ٹائمز آف انڈیا)

حکومت بمبئی کو آج معلوم ہوا کہ شہریوں کے حقوق کا تحفظ اسی میں ہے کہ مجلس کے اختیارات میں تحدید اور ناظم کے اختیارات میں وسعت دی جائے۔ کیا نواب مہدی نواز جنگ بہادر کو جو اس وقت قانون بلدیہ حیدرآباد کی ترمیم میں مصروف ہیں قانون بلدیہ بمبئی کی اس ترمیم کی اطلاع ہے؟

مدراس کی "انجمن خواتین ہند" نے اپنے ایک جلسہ میں ملک کی موجودہ صورت حال اور حکومت کی تشدد آمیز پالیسی پر غور و خوض کرنے کے بعد ایک قرار داد منظور کی جس میں ملک کے سیاسی زعماء مہاتما گاندھی اور ان کے رفقائے کار کی گرفتاری پر احتجاج کیا گیا اور کہا گیا کہ اگر وہ قید خانہ کی چاردیواری کے باہر ہوتے تو عوام کی صحیح قیادت کرتے اور اس طرح ملک میں بدنما واقعات کو وقوع پذیر ہونے سے باز رکھتے۔ (یونائیٹڈ پریس)

ہم کو انجمن خواتین ہند کی کم علمی پر افسوس ہوتا ہے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ بیسویں صدی میں مرد کی جگہ چاردیواری اور عورت کی جگہ منظر عام ہے۔

اچھا ہوا کہ کانگریسی لیڈر چاردیواری میں ہیں ورنہ اگر وہ اس کے باہر ہوتے تو "بدنما واقعات" کے بجائے خانہ خرابی کے واقعات وقوع پذیر ہوتے۔

مسٹر نرسنگ راؤ مدیر "رعیت" نے اپنے ایک مستقل مضمون میں تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"اتحاد المسلمین کو یہ شکایت ہے کہ کانگریس نے ہندوستان کا جو نقشہ پیش کیا ہے اس میں دیسی ریاستوں کے ساتھ حیدرآباد کے خصوصی موقف کو نظر انداز کر دیا۔ کانگریس اور کانگریسی زعماء کے بیانات اور ان کے ارادوں کا میں کوئی مفسر نہیں ہوں۔ لیکن کانگریس کی جو پالیسی رہی ہے اس کی بنا پر میں یہ خیال کرتا ہوں کہ کانگریس اور کانگریسی زعماء اگر حیدرآباد کے مفاد میں نہیں تو کم از کم ریاستوں کے مفاد میں ہرگز اس کے روادار نہیں ہو سکتے کہ حیدرآباد میں برطانوی حکومت کی مداخلت کا سلسلہ جاری رہے۔ کانگریس نے اپنا پوزیشن صاف کر دیا ہے۔"

کانگریس نے اپنا پوزیشن صاف کیا ہو یا نہ کیا ہو مدیر "رعیت" نے تو اپنا پوزیشن صاف کر دیا۔ وہ کانگریس کے مفسر نہیں صرف بے تعلق تماشائی ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب کانگریس ریاستوں میں مداخلت کرتی ہے تو بے تعلق تماشائی کی طرح وہ "مصلحۃً" اعتراض سے احتراز کرتے ہیں۔

بنگال کی مسلم لیگی پارلیمانی جماعت کا جلسہ اس کے قائد سر ناظم الدین کے مکان پر منعقد ہوا جس میں کل ہند مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کی قرارداد کا خیر مقدم کیا گیا۔

(ایک اخباری اطلاع)

بعد کی اطلاع ہے کہ اس مکان کے سامنے کانگریسی ستیاگرہیوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ اس کی وجہ سے آنریبل مسٹر فضل الحق اس جلسہ میں شرکت نہیں فرما سکے۔

ایک دوسری اطلاع یہ ہے کہ سر ناظم الدین کے مکان کا دروازہ اس قدر چھوٹا تھا کہ بنگال کے وزیر اعظم کا اس میں داخل ہونا مشکل ہو گیا۔

مدراس کی ایک اطلاع ہے کہ ایک سو افراد کے مجمع نے مرنج سنگا پور ضلع کوئمبتور میں ایک سیندھی کی دوکان کو توڑ پھوڑ کر جلا دیا۔ پولیس نے مجمع کو منتشر کر دیا اور کچھ گرفتاریاں بھی عمل میں آئیں۔

کیا معلوم کہ اس مجمع میں انجمن ترک مسکرات کے کتنے ممبر شامل تھے۔ انجمن ترک مسکرات کے صدر کو اس خصوص میں ایک بیان جاری کرنا چاہئے۔

حیدرآباد میں عنقریب مختصر مدت میں ایک [illegible] کمیٹی کا قیام عمل میں آنے گا۔ چنانچہ اس خصوص میں مستقری فنانس میں ایک فوری اجتماع ہوا۔ اس جلسہ میں یہ بیان کیا گیا کہ حکومت "جاریہ قانون تجارت" پر نظر ثانی میں مصروف ہے۔ (اورینٹ پریس)

کیا حکومت سرکار عالی کے تجارتی معاہدہ پر بھی نظر ثانی کر چکی ہے؟ کیا ہر دو فریق معاہدہ اس کی پابندی کریں گے؟ جاریہ قانون تجارت کی نظر ثانی تجارتی معاہدہ کی روشنی میں ہونی چاہئے۔

فینانس کی آئینی مشاورتی مجلس

تفصیلی قواعد کا نفاذ

حیدرآباد ۲۲ ستمبر۔ محکمۂ فینانس کے لئے جو آئینی مشاورتی کمیٹی تجویز کی گئی تھی اس کے قیام کی پیش رفت میں کمیٹی مذکور کی وسعت، ترکیبی ترتیب اور اختیارات کی نسبت تفصیلی قواعد نافذ ہو چکے ہیں یہ کمیٹی اس وسعت کی دوسری کمیٹیوں کے ساتھ جو امور مذہبی تعلیمات، زراعتی ترقی، صنعتی ترقی، صحت عامہ، بلدیوں کے اوقات اور دیہاتوں کے اوقاف کے لئے قائم کی جائیں گی، اصلاحات کی اسکیم کا اہم جزو ہے۔

یاد ہوگا کہ آئینگار اصلاحات کمیٹی نے سفارش کی تھی کہ متعدد آئینی مشاورتی کمیٹیاں قائم کی جائیں جن میں سرکاری اور غیر سرکاری ارکان کی تعداد مساوی رہے۔ اور ہر کمیٹی کی صدارت کے فرائض محکمۂ متعلقہ کے صدر المہام انجام دیں۔ کمیٹی مذکور کی یہی سفارش تھی کہ دیگر امور کے منجملہ ان کمیٹیوں کو عام پالیسی سے متعلقہ اہم مسائل پر اور مصارف عائد کرنے والی تمام تجاویز پر بحث کرنے اور گورنمنٹ کے غور کرنے کے لئے اپنی رائے کے اظہار کا اختیار دیا جانا چاہئے البتہ انہیں انتظامی تفصیلات سے کوئی سروکار نہ ہو انہیں تین سال کی میعاد کے لئے مقرر کرنے کی بھی تجویز تھی۔

آئینگار کمیٹی کی سفارشات سے عام طور پر اتفاق کرتے ہوئے باب حکومت نے زور دیا تھا کہ ایسا انتظام مناسب ہوگا جس کے تحت بلحاظ ضرورت ان کمیٹیوں کے ارکان کی تعداد بڑھائی یا گھٹائی جاسکے بشرطیکہ سرکاری اور غیر سرکاری ارکان کا تناسب مساوی ہو نیز قواعد میں یہ گنجائش رکھی جانی چاہئے کہ جہاں کہیں ضرورت ہو اصل کمیٹیوں کے ارکان سے ذیلی کمیٹیاں جو ماہرین پر مشتمل ہوں قائم کی جاسکیں تاکہ خصوصی نوعیت رکھنے والے امور ان کے سپرد کئے جاسکیں۔

ان قواعد کے تحت جنہیں اعلیٰ حضرت بندگانعالی نے براہ خسروانہ منظور فرمایا ہے اور جو بذریعہ غیر معمولی جریدہ آج شائع ہو چکے ہیں فینانس کی آئینی مشاورتی کمیٹی کے اراکین دس سے کم اور بیس سے زائد نہ ہوں گے۔ ان میں سے نصف اراکین سرکار عالی کے عہدہ دار ہوں گے اور صدر محاسب سرکار عالی بہ اعتبار عہدہ اس کمیٹی کے معتمد ہوں گے۔ بقیہ نصف غیر سرکاری اراکین ہوں گے سرکاری اور غیر سرکاری اراکین دونوں حکومت سرکار عالی نامزد کرے گی۔ ماسوا ان اراکین کے جو باعتبار عہدہ نامزد ہوئے ہوں بقیہ اراکین کی مدت رکنیت تین سال ہوگی اور وہ دوبارہ نامزد ہو سکیں گے۔

ان قواعد کی رو سے صدر المہام فینانس پر لازم ہوگا کہ وہ معاونہ کمیٹی کو ایسی اسکیم یا تجویز جس سے کوئی نیا محصول عائد ہوتا ہے یا محاصل میں اضافہ ہوتا ہے نیز تبدیلی یا تخفیف مصارف کے اہم مسائل ان نظماتی تغیرات کی رو سے اور سفارشات جنہیں مذکورہ امور میں سے کسی امر پر غور کرنے کی غرض سے سرکار عالی نے مقرر کیا ہو یا مذکور امور میں سے کسی امر اور مسودات قانونی وغیرہ کو بحث اور اظہار رائے کے لئے کمیٹی کے آگے پیش کریں۔ علاوہ ازیں صدر کمیٹی اپنے صواب دید سے ایسے دوسرے امور بھی کمیٹی کے سامنے پیش کر سکیں گے جن کی نسبت وہ کمیٹی کا مشورہ حاصل کرنا یا اس کے خیالات معلوم کرنا چاہیں۔

مشاورتی کمیٹی کی سال میں (۲) میقاتیں ہوں گی۔ جن کی تاریخیں صدر کمیٹی مقرر فرمائیں گے اور علم طور پر اراکین کو ہر میقات سے قبل ان کی اطلاع دی جائے گی خاص حالات میں صدر کمیٹی کو خاص میقات طلب کرنے کا بھی اختیار ہوگا۔

ان قواعد کی بموجب صدر کمیٹی کسی ایسے قاعدہ کی تعبیر کرنے کے مجاز ہوں گے جن کے معنی و مفہوم کی نسبت اختلاف رائے پیدا ہو علاوہ ازیں وہ ان اعتراضات کا بھی تصفیہ کریں گے جو جلسہ کی کارروائی میں طریقۂ کار کی نسبت پیش ہوں وہ کمیٹی کے مباحث میں بھی حصہ لیں گے تاکہ جہاں تک ممکن ہو سکے اراکین کو کسی متفقہ رائے پر پہنچنے یا کثیر سے کثیر تعداد کو اتفاق رائے حاصل کرنے میں مدد دے سکیں۔ کمیٹی کے مباحث کی روشنی میں صدر کمیٹی ہی اس کے فیصلہ کی تعبیر اور تعین کریں گے۔ البتہ روئداد اور قرارداد کی توثیق خود کمیٹی کرے گی۔

آئینی مشاورتی کمیٹیاں

صدر المہامین متعلقہ کے نام انتظامی ہدایات

آئینی مشاورتی کمیٹیاں جو جدید دستور کے ایک لازمی جزو کی حیثیت سے قائم کی جا رہی ہیں ان کی ہیئت ترکیبی، فرائض اور اختیارات کی نسبت تفصیلی قواعد کا اعلان ہو چکا ہے معلوم ہوا ہے کہ اس بارے میں اعلیٰ حضرت بندگان عالی کے حکم کے بموجب تمام صدر المہامین متعلقہ کے نام انتظامی ہدایات جاری کر دئے گئے ہیں جو ان عام اصولوں پر مشتمل ہیں جو کمیٹیوں کے فرائض کے حدود اور ان کا ضابطہ اور طریقۂ کار معین کرنے میں صدر المہام متعلقہ کے پیش نظر رہنے چاہئیں۔

معلوم ہوا ہے کہ ان ہدایات میں اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ جونہی جدید مجلس وضع قوانین اپنا کام شروع کرے متعلقہ کے غیر سرکاری اراکین میں سے کمیٹی کے غیر سرکاری اراکین کا بھی صرف انتخاب کیا جائے متعلقہ سررشتوں کو ہدایات دی گئی ہیں کہ اس وقت تک بھی نامزدگی کے لئے ایسے ہی اشخاص کی سفارش کریں جو عوام میں آزادانہ رائے رکھتے ہوں اور جنہوں نے موضوع متعلقہ سے کسی دلچسپی کا اظہار کیا ہو یا جن سے یہ توقع کی جا سکتی ہو۔

معلوم ہوا ہے کہ صدر المہامان متعلقہ کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اس قانونی گنجائش سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں جن کے تحت ان امور کے علاوہ جنہیں کمیٹیوں میں پیش کرنا بہر حال لازمی ہے وہ دوسرے امور بھی جن کا پیش کرنا یا نہ کرنا ان کے صواب دید پر چھوڑ دیا گیا ہے رجوع کر سکتے ہیں۔ اس طرح مطالع و مشورہ کا دائرہ وسیع ہو کر ان امور پر بھی حاوی ہو جائے گا۔ جو صراحۃً کمیٹی کے فرائض سے باہر ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ان ہدایات میں قواعد کی دفعات کی تعبیر کے متعلق بھی ضابطہ معین کیا گیا ہے۔ صدر کو اختیار ہے کہ وہ کسی دفعہ کی اپنے طور پر تعبیر کرے بشرطیکہ اس دفعہ کا اطلاق صرف کسی مشاورتی کمیٹی پر ہوتا ہو۔ صدر کمیٹی کی دی ہوئی تعبیر کے خلاف صدر اعظم باب حکومت کی خدمت میں مرافعہ پیش ہو سکے گا اور ان کا تصفیہ قطعی متصور ہوگا لیکن اگر کسی ایسی دفعہ کی تعبیر مقصود ہو جو ایک سے زائد کمیٹیوں کے قواعد میں پایا جاتا ہو (مجلس اوقات مسلمین اور مجلس اوقاف ہنود کے قواعد اس غرض کے لئے ایک ہی متصور ہوں گے) تو اس کی تعبیر بلا مشورہ و منظوری صدر اعظم نہ ہو سکے گی اور طریقۂ کار یہ ہوگی کہ مجلس کا صدر اپنے فیصلہ کو ملتوی رکھ کر اسے اپنی رائے کے ساتھ بوساطت محکمۂ امور دستوری صدر اعظم کے پاس پیش کرے گا تاکہ مختلف کمیٹیوں کے کاروبار میں ان احکام و دفعات کی حد تک جن کا اطلاق جملہ مشاورتی کمیٹیوں پر ہوتا ہے یکسانیت عمل اور ربط قائم رہے۔ ان ہدایات میں اس امر کی ضرورت بتلائی گئی ہے کہ ان امور کا تعین کرتے وقت جن کی نسبت کمیٹیاں عموماً مشورہ دیا کریں گی موضوع کی وسیع ترین تعبیر ہونی چاہئے مثلاً تعلیمات کے موضوع کے تحت مشاورتی غرض کے لئے جن امور کا اس طرح تعین کیا جائے گا کہ نہ صرف فنی تعلیم اس میں شامل کی جائے گی بلکہ ادنیٰ، وسطانی، فوقانی اور اعلیٰ تعلیم، تحقیقاتی ترقی اور خصوصی تعلیم کے متعلق سرکار عالی کی حکمت عملی اور مذکورہ امور سے متعلق جو ایسی نئی تجویز بھی شامل کی جائے گی جس سے خرچ میں اضافہ ہوتا ہو لیکن ان کا انتظامی امور سے کمیٹی تعلیمات کو تعلق نہ ہوگا۔ (یہی سفارش آئینگار کمیٹی کی بھی تھی)

یہ آئینی مشاورتی کمیٹیاں سوائے ان کمیٹیوں کے جو مشورہ ضروری کی بنا پر قائم کی گئی ہوں۔ دوسری قابل نوعیت کی سرکاری اور غیر سرکاری ارکان رکھنے والی کمیٹیوں سے بلحاظ مرتبہ بالاتر متصور ہوں گی کیونکہ سرکار عالی کا منشا یہ ہے کہ ان کو خاص مرتبہ اور اہمیت اور ان کے مشورہ اور رائے کو مناسب وزن دیا جائے۔ اس لئے کہ یہ دستور حکومت کا ایک جزو ہیں۔ (اورینٹ پریس)

فرقہ وارانہ میل ملاپ

تقریر جناب احمد عارف صاحب ایڈیٹر "صبح دکن" جو نشر گاہ حیدرآباد سے نشر ہوئی۔

ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ ہماری قومی زندگی کے ان عظیم الشان مسائل میں سے ہے جن کا صحیح حل ہندوستان کی آزادی اور اس کی عظمت و شوکت کے احیا کا باعث ہو سکتا ہے۔ بدقسمتی سے یہ اہم ترین مسئلہ آسانی کے ساتھ سلجھنے کے بجائے فرقہ واری عصبیت اور تنگ نظری کی بدولت پیچیدہ اور مشکل بنا جا رہا ہے۔ ذہنی خلیج جو موجودہ سیاست و تمدن کی کارفرمائی کا نتیجہ ہے دھیرے دھیرے وسیع ہو رہی ہے اور افتراق و انتشار کو دستوری سیاست کے چوکھٹے میں جگہ دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جذبات کی برہمی اور باہمی تعلقات کی کشیدگی کسی سچے محب وطن کے لئے گوارا نہیں لیکن افسوس یہ ہے کہ اسی کو یہاں کشمکش کا نقطۂ آغاز تصور کر لیا گیا ہے جو دونوں قوموں میں سے کسی ایک کی بھی صحیح رہنمائی نہیں کر سکتا۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہندو مسلم حلقوں کے موجودہ فکر و نظر پر اس رائے عمل اور رد عمل کا گہرا عکس ہے جو انگریزی اقتدار کی حکمرانی کا نتیجہ ہے لیکن میں اس نظریے کو خواہ وہ کتنے ہی حقائق پر مبنی کیوں نہ ہو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ ہندو مسلمانوں کے اتحاد کو صرف برطانوی حکومت کی حکمت عملی سے ضرر پہنچا۔ کیوں کہ اگر یہ بات واقعی حقیقت پر مبنی ہوتی تو انتقال ملک کے بعد دونوں قومیں اپنے تعلقات کو پہلے سے زیادہ مستحکم اور اپنے نقطۂ نظر کو زیادہ سے زیادہ متحد کر لیتیں لیکن یہ جاننے اور سمجھنے کے باوجود کہ اتحاد کے بغیر ملک کی آزادی ممکن نہیں آپس میں لڑتے جھگڑتے رہنے کے یہ معنی ہیں کہ ہندوستانیوں کو اپنے وطن اور خود اپنے مفاد کا کچھ بھی پاس نہیں ہے۔

اختلافات کی موجودہ خلیج کیوں پیدا ہوئی اس کو معلوم کرنے کے لئے ہندوستان کے کچھ پچھلے سیاسی واقعات پر غور کرنا پڑے گا۔ غدر کے بعد جب انگریزوں کا اقتدار ہندوستان پر پوری طرح مسلط ہوا تو مسلمان قدرتی طور پر ایک زوال پذیر قوم کی حیثیت میں آ گئے اس انقلاب کے نتیجے کے طور پر تعلیمی لحاظ سے ان کی حالت پست تھی اور پھر اس دور کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ زندگی کے مختلف میدانوں سے یا تو بہت دور نظر آنے لگے یا انہیں خوف و اندیشے کے ساتھ کبھی کبھی آگے آنے کی توفیق ہوئی۔ سیاست ان کے لئے شجر ممنوعہ سے کم نہیں تھی تعلیم کے معاملے میں وہ مغربی اصول و افکار کو قبول کرنے سے گھبراتے تھے۔ اس کے برعکس ہندوؤں میں بیداری کی ایک لہر پیدا ہو رہی تھی انہوں نے اپنے آپ کو زمانے کے آگے بڑھایا۔ سیاست کے ان اصول و افکار کو جو ہندوستان میں انگریزوں کے طفیل بروئے عمل آ رہے تھے۔ انہوں نے اچھی طرح اپنے اندر جذب کر لیا اور پھر اپنے سیاسی اداروں کو منظم کر لیا یہاں تک کہ انہیں قوت و طاقت حاصل ہو گئی جس کے ذریعے سے وہ ایک قوم اپنی ترقی اور بلندی کے بڑے خواب دیکھتی ہے۔ ترقی کی اس دوڑ میں مسلمان پیچھے رہے اور ایک عرصے کے بعد انہیں یہ محسوس کرنا پڑا کہ وہ اس حالت سے ہندوستان میں زندہ نہیں رہ سکیں گے۔ سیاسی تحریکات کے گزشتہ دور میں ہندو مسلمانوں کے اتحاد کے نتائج بڑے حوصلہ افزا تھے لیکن اس رفتار اتحاد کے مد نظر حکومت کے پاس ہندوستان کو حاصل کیا اور اس طاقت کے بل بوتے کے نتائج سے وہ آگاہ تھے یہ خواہش پیچھے ہی چپکے کام کر رہی تھی کہ ہندوستان پر خود وہ کیوں حکومت نہ کریں! اس تنگ نظری پرورش پانے والے وہ محدود تخیل کا نتیجہ تھا جس کی ترقی یافتہ صورت کو آج ہم باہمی جنگ کے خوفناک شعلوں کی شکل میں دیکھ رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ایک قوم اس تنگ نظری پر اصرار کرنے لگے تو وہ اخوت و اتحاد کے ان رشتوں کی کبھی پروا نہیں کر سکتی جو مختلف فرقوں یا قوموں کو ایک ہی بندھن میں جکڑ دیتے ہیں اس کے برعکس مسلمانوں کا رجحان سارا جہاں ہمارا کے عالمگیر اور انسانیت پرور اصول کی طرف رہا جس کی اہمیت اور افادیت آج دنیا کی ساری اقوام محسوس کر رہی ہیں اور بہت ممکن ہے کہ جنگ کے بعد نظام زندگی کی اساس اسی تصور حیات پر رکھی جائے۔

ہندو یہ تصور کرنے لگے کہ ہندوستان میں مسلمان اجنبی ہیں اس لئے ملک کے سارے کلچر پر ہندوؤں کا غلبہ ہونا چاہئے۔ اور سیاسی زندگی کی تعمیر و تشکیل بھی انہی کی مرضی کے تابع رہے۔ حالانکہ مسلمانوں کا دور حکومت اس امر کا روشن ثبوت ہے کہ انہوں نے ہندوستان کو نہ صرف اپنا وطن عزیز بنایا بلکہ اس کی ترقی میں ہندوؤں سے زیادہ حصہ لیا۔ ہندوستان کا یہ دور اتحاد و رواداری کا کامل نمونہ رہا ہے۔ زندہ رہو اور زندہ رہنے دو کا یہی زرین اصول ہے جس کی بدولت ہندو مسلمان ایسے شیر و شکر ہوئے کہ ان پر ایک ہی قوم ہونے کا یقین ہوتا تھا۔ متحدہ قومیت کی تعمیر میں نہ مذہب و ملت کے جھگڑے حائل رہے اور نہ اقوام و ملل کے تفرقے حارج ہوئے اور یہی خوش گوار ہم آہنگی ایک ایسی شاندار قومی زندگی کا باعث ہوئی جس کا احیا آج بھی ہمیں منزل مقصود پر پہنچا سکتا ہے۔

موجودہ دور میں ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ جتنا کٹھن ہے اتنا آسان بھی ہے۔ اس کو حل کرنے کے لئے پہلے ہمیں اپنے دلوں اور ذہنوں کا جائزہ لینا پڑے گا دلوں کا کھوٹ اور ذہنوں کا زنگ جب تک دور نہ کیا جائے زبانی جمع خرچ سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا سب سے پہلے اس حقیقت کا اعتراف ہونا چاہئے کہ ہندو مسلمانوں سے الگ نہیں رہ سکتے اور انفرادی طاقت و قوت کبھی ہندوستان کو آزاد کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی اسی طرح مسلمانوں کا ہندوؤں سے الگ تھلگ رہنا بھی ممکن نہیں جب کہ وہ دونوں ایک ہی دیس کے باشندے اور ملک کے مفاد کے معاملے میں ایک نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ مذہب و ملت کے جھگڑے جو بظاہر موجودہ اختلافات کا سبب دکھائی دیتے ہیں در اصل کوئی بنیادی مقام نہیں رکھتے کیوں کہ دور گزشتہ میں جب کہ مسلمانوں کی فرماں روائی تھی نہ ہندوؤں کو کبھی کوئی شکایت پیدا ہوئی اور نہ کسی فرقے کو اپنے مذہبی اعمال و وظائف میں کسی قسم کی رکاوٹ پیش آئی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ سیاسی اختلافات پر مذہبی رنگ چڑھانے کی جو کوشش کی گئی ہے اس کا منشا جذبات کو شدید کرنا ہے ورنہ جہاں تک مذہب کی اصل روح کا تعلق ہے اس کا مقصد انسانیت کی بہترین خدمت گزاری اور رہنمائی رہا ہے اور ہے۔

بہرحال جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں اتحاد کے لئے دونوں قوموں کو یہ سمجھ کر آگے بڑھنا پڑے گا کہ ایک دوسرے کے اشتراک کے بغیر نہ ان کی سیاست و تمدن کی گاڑی چل سکتی ہے اور نہ وہ مادر وطن کی کوئی اچھی خدمت کر سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ کانگریس سب پر حکومت کرے گی اور اس کا امکان بھی بہت مشکل ہے کہ ایک ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے علاحدہ وطن کی تشکیل کرے۔ وہ جو سمجھ رہے ہیں کہ اب ہندو مسلمانوں کا ملاپ آسان نہیں یا دو اقوام کے لئے متحدہ نقطۂ نظر کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی گنجائش نہیں ان سے میں حیدرآباد کی مثال کو سامنے رکھنے کی استدعا کرتا ہوں۔

فرقہ واریت کے دوران میں سارا برطانوی ہند گرفتار رہا لیکن حیدرآباد جو ہندو مسلم تمدن کا مرکز ہے اپنی عظیم روایات پر قائم ہے۔ یہ روایات جذبات سے اتحاد و ملاپ کے گلشن میں پھلتے پھولتے رہے ہیں اور ملک کی دونوں قوموں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کو تسکین و راحت کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔ حضرت آصف جاہ اول نے دکن کے لئے متحدہ قومیت کی جو تعمیر فرمائی تھی وہ شاہان آصفیہ کی عالی حوصلگی بے نظیر رواداری اور جمہور نوازی کے طفیل اسی استحکام کے ساتھ موجود ہے۔ ایک ایسی حسین عمارت پر بھی فرقہ واریت کی کیچڑ اچھل پڑے تو اس سے نہ عمارت کی دل کشی پر کوئی اثر پڑ سکتا ہے اور نہ استحکام کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ یہ میل کچیل جو کہیں کہیں پیدا ہو گیا ہے وہ کچھ اہمیت حاصل نہیں اور وہ بہت آسانی کے ساتھ دھو دیا جا سکتا ہے۔

حضرت آصف جاہ اول نے ہندو مسلمانوں میں متحدہ قومیت کی جو روح پھونکی تھی وہ حیدرآباد کے جمہور کی رگ رگ میں جذب و کار فرما ہے اور اب حضرت سلطان العلوم آصف سابع خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کے تدبر و اقبال کا اثر سمجھنا چاہئے کہ برطانوی ہند سے فرقہ واریت کا جو سیلاب امڈ رہا ہے دکن کی سرحدوں سے ٹکرا کر واپس ہو گیا۔ بعض بزرگ حیران ہیں کہ ان کی ساری کوششوں کے باوجود حیدرآباد میں ہندو مسلم ہنگامے نہیں ہو سکے۔ حالانکہ انہوں نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ یہیں اتحاد و ملاپ کی اساس دلوں کی معنوی اور دلوں کی پاکیزگی ہے یہاں صرف زبان و بیان کے شعبدے کبھی کارگر نہیں ہو سکتے۔ جس طرح ایک باپ کے دو بیٹے مسلسل بنا کر ایک دوسرے کے دشمن نہیں بن سکتے اسی طرح مادر وطن کے یہ دو فرزند ایک دوسرے [illegible]

حکومت سرکار عالی کے منتخب پریس نوٹ اور اعلامیے

حکومت سرکارِ عالی حیدرآباد کے سررشتہ معلومات عامہ کی جانب سے جو کتاب "منتخب پریس نوٹ اور اعلامیے" شائع ہوئی ہے اس کا مقصد معلوم ہوتا ہے کہ مملکت حیدرآباد کی سود مند سرگرمیوں کی لمبی چوڑی تفصیل پیش کرنے کی بجائے اصلی واقعات پیش کئے جائیں اور صحیح معلومات سے واقف کرایا جائے۔ کتاب دلچسپ اور مفید ہے کیونکہ اس سے پڑھنے والے کو نہ صرف حکومت کی ان سرگرمیوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے جن سے مملکت کے باشندوں کی عام فلاح و بہبود مقصود ہے بلکہ ایک ترقی پذیر قوم کے بدلتے رجحانات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اس لحاظ سے اس کتاب کو حکومت کے مسلک کا خلاصہ سمجھا جا سکتا ہے جو بدلتے ہوئے حالات اور رعایا کی حقیقی ضروریات کے مدنظر معاشرتی، معاشی اور سیاسی و دستوری ترقی کے لئے اختیار کیا جا رہا ہے۔

کتاب تین حصوں میں تقسیم کی گئی ہے اور ہر حصہ حکومت کی جدوجہد کے ایک خاص شعبے سے متعلق ہے۔ چنانچہ پہلا حصہ سیاسی اور انتظامی نوعیت کے بیانات کے لئے مختص ہے دوسرا حصہ معاشرتی فلاح و بہبود کے امور سے متعلق ہے اور تیسرے حصے میں معاشی دلچسپی کے مسائل درج ہیں۔

پہلے حصے میں ستیاگرہ تحریک کے آغاز کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ وہ ذاتی اغراض رکھنے والے بعض بیرونی اداروں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی۔ اس حصے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کیوں کر حکومت کی ان مسلسل کوششوں کے باوجود جو فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے اور مملکت کی سیاسیات کو فرقہ واریت سے پاک رکھنے میں کی گئیں، سادہ لوح لوگوں کو حکومت کے مسلک کے متعلق غلط بیانیوں سے متاثر کیا جاتا رہا اور آخرکار انہیں مملکت کے خلاف ایک خود ساختہ شورش میں آلۂ کار بنایا گیا۔ اس حصے میں جو مواد شریک ہے اس کی بنا پر یہ نتیجہ قائم کرنا بالکل حق بجانب ہوگا کہ جس مدت پر یہ کتاب محیط ہے اس کی نمایاں خصوصیت وہ گہری اور مسلسل سرگرمی ہے جو دستوری معاملات کے بارے میں ظاہر کی گئی۔ سنہ ۱۳۲۱ف کی پیچیدہ حالات کو روبعمل لانے کے لئے جو کام انجام پا چکا ہے اس کا خاکہ بھی دیا گیا ہے۔

دوسرے حصے میں حکومت کی بعض اہم سرگرمیوں کا بیان کیا گیا ہے جو معاشرتی اصلاح سے متعلق ہیں۔ معاشرتی ترقی کے لئے تعلیم جیسے کارگزار پر خاص توجہ کی گئی اور مملکت کے اندر تعلیم کو اس طرح ترتیب دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس کی عملی قدر و قیمت میں اضافہ ہو تاکہ وہ تعلیم یافتہ لوگوں کو مناسب روزگار دلانے میں عملی ثابت ہو سکے۔ بیگار یا جبری مزدوری کے رواج کی مسدودی، انجمن ہائے امداد باہمی اور اتفاق کی تنظیم اور رواج، چوروں کی رجسٹری جیسی دوسری معاشرتی اصلاحوں کو روبعمل لانے میں بھی حکومت بہت کچھ سرگرم رہی۔ محکمۂ صحت عامہ سے متعلق [illegible] کا ذکر [illegible]

ہے۔ ان مختلف وبائی امراض کو جو دیہی رعایا کو خاک میں ملانے کے ہولناک حربے تھے موثر طریقے سے قابو میں لایا گیا۔ چنانچہ ان بیماریوں میں نمایاں کمی ہوگئی اور ان سے جو انسانی جانیں ہلاک ہوا کرتی تھیں ان میں بھی متناسب کمی واقع ہوگئی۔ دیہی علاقوں کے طبی سہولتوں میں کافی وسعت دینے اور حفظ و آبرسانی کی سبیل نکالنے کے علاوہ غذائی تحقیقات کا کام بھی کیا گیا تاکہ یہ دریافت ہو سکے کہ کسی خاص علاقے یا ضلعے کے باشندوں کے لئے کس قسم کی غذا زیادہ موزوں اور مناسب ہوگی۔ یہ سب تدبیریں اس طے کردہ عمل کا جزو ہیں جو رعایا کی عام صحت کو بہتر بنانے کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔

اس مختصر تبصرے میں اس تر و تازہ اور مسلسل دلچسپی کا تفصیلی ذکر ممکن نہیں جو حکومت کی جانب سے دیہی رعایا کی معاشی حالت کو سدھارنے کے لئے ظاہر کی جا رہی ہے۔

تیسرے حصے میں ان سرگرمیوں کا مفصل حال موجود ہے جن کا مقصد کاشت کاروں کی معاشی بدحالی میں کمی پیدا کرنا ہے جس کا باعث موسم کی بے ترتیبیاں یا کوئی دوسرے حالات ہوں جن پر انہیں قابو نہیں۔ امدادی تدبیروں میں متعدد ایسی قوانین سے لے کر مال گزاری کی بے دخلی، نیا فیض، معافیات، آبپاشی کی مزید سہولتیں اور زرعی پیداواروں کی فروخت کے انتظامات تک شامل ہیں۔ مزید برآں کاشت کاروں کی آمدنی میں اضافہ کرنے کے لئے زراعت سے متعلق ضمنی صنعتوں کی ہمت افزائی مختلف شکلوں میں کی گئی۔ قدیم گھریلو اور چھوٹی صنعتوں کے احیاء کے لئے بھی موثر تدبیریں اختیار کی گئیں۔ کچھ عرصے سے موجودہ جنگ بھی ایک حد تک درپردہ رحمت ثابت ہو رہی ہے کیونکہ اس کی بدولت مملکت میں صنعتی پیداواروں کو ترقی حاصل ہو رہی ہے۔

اس کتاب کے پڑھنے والوں کو ان امور کا صحیح اندازہ لگانے میں مدد ملے گی جن پر مملکت کی عام ترقی کا خاکہ مرتب کیا گیا ہے اور اس شاہراہ ترقی کا علم ہوگا جس پر مملکت گامزن ہے۔

انجام دہی کے لئے انہیں ہر بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کرنا چاہئے۔

دنیا اس وقت تغیر و انقلاب کے دور سے گزر رہی ہے ممکن ہے کہ اس جنگ کے نتائج و عواقب میں ہندوستان کی فلاح کا کوئی سامان نکل آئے اور ہندو مسلمان پھر سے شیر و شکر ہو جائیں مگر جہاں تک حیدرآباد کا تعلق ہے یقین ہے کہ متحدہ قومیت کے معاملے میں نہ صرف وہ اپنی دیرینہ روایات کو قائم رکھے گا بلکہ ہمارے آقائے ولی نعمت خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کے زیر سایہ اس باب میں ہندوستان کی ایسی رہنمائی کرے گا کہ بچھڑے ہوئے مل جائیں مردہ دلے جوڑنے سے من جائیں اس طرح کہ

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

فرقہ وارانہ میل ملاپ

(بسلسلہ صفحہ ۸)

علیحدہ نہیں ہو سکتے۔

کہنے والے یہ تو کہتے رہے کہ حیدرآباد پر عرصہ دراز سے مسلمان حکومت کرتے آرہے ہیں۔ لیکن جاننے والے اسے کس طرح باور کرتے کہ ان کے حق میں ناانصافی ہوئی جب کہ وہ یہ دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ زندگی کے ہر شعبے میں ہندو مسلمان ایک دوسرے کے برابر کے شریک و سہیم رہے ہیں اور حکومت کی بخشش و عطا سے دونوں برابر فائدہ اٹھاتے رہے ہیں بڑی بڑی جاگیریں انہیں دی گئیں، پائیگاہیں اور مناصب و خطابات میں ان کا حصہ رہا۔ نظم و نسق کے اہم میدانوں میں مسلمانوں کے ساتھ وہ بھی منسلک رہے اور زندگی کا وہ کونسا شعبہ ہے جہاں ان کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ اگر چھوٹے بھائی نے کبھی اپنی قابلیت کے بل پر زیادہ استفادہ کی کوشش کی تو بڑا بھائی مطمئن رہا کیونکہ یہ اسی کا ساتھی ہے۔ اسی طرح بڑے بھائی کی نعمتوں سے چھوٹا بھائی مطمئن رہا کہ دونوں ہی کو راحتوں کا سامان میسر آرہا ہے۔ اب اگر کوئی اس طرح عمل میں ایسی رکاوٹ ڈالے کہ دونوں میں پھوٹ پڑ جائے تو کیا وہ ان دونوں کا دشمن نہیں۔ اور کیا وطن کے مفاد کی حفاظت کے لئے ایسی باتوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ حکومت آصفیہ اپنی قدیم پالیسی پر عامل ہے جس میں ہندو مسلمان دونوں کے لئے ترقی کے مواقع اور سہولتوں کی گنجائش موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اس وقت اور آئندہ بعض ایسے طرز حکومت کو جاری نہیں رکھ سکتی جس کی بدولت متحدہ قومیت کے تصور اور اس کی بنیاد پر ضرب لگے بلکہ وہ اس امر کی انتہائی کوشش کرے گی کہ اتحاد و ملاپ اور ہمنوائی و ہمدردی کی قدیم و پاکیزہ روایات محفوظ رہیں۔

حیدرآباد میں ہندو مسلم اتحاد کا سلسلہ قدامت سے اس قدر مربوط چلا آتا ہے کہ اس کو دیکھ کر اب برطانوی ہند والے حیرت کریں تو بجا ہے۔ تمدن و معاشرت کی یکسانی افکار و اعمال کی وسعت ان کی قومی زندگی کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ مذہب و ملت کے اختلاف کے باوجود اب بھی حیدرآباد میں ہندو مسلمان ایک دوسرے کے جذبات کا جس محبت سے احترام کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے مذہبی پیشواؤں سے جو عقیدت رکھتے ہیں وہ برطانوی ہند کے لئے ایک ہدایت آفریں سبق ہے۔ باہمی تعلقات کی شگفتگی کو ہزاروں مثالوں سے واضح کیا جا سکتا ہے جن کا یہ موقع نہیں۔ ہندو اور مسلم خاندانوں کے وہ تعلقات جو برس ہا برس پہلے قائم تھے اب بھی ان کے جانشینوں کی حد تک استوار ہیں۔ اسے آپ چاہیں تو وضعداری سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ لیکن میں اسے دکھنی قومیت کے استحکام کی ایک روشن مثال سمجھتا ہوں۔ مذہبی تقاریب اور سماجی اجتماعات میں ان کا قریب قریب مشترک حصہ ہوتا ہے اور اب تو جاریہ جنگ کے نتائج نے انہیں سیاسی میدان میں بھی بہت قریب کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مملکت کی حفاظت ان کا اپنے فرائض میں [illegible]

پبلک کارکنوں کے مشاغل

آریہ سماج حیدرآباد کی جانب سے گیشو میموریل اسکول میں شرادھانند اُتسو منایا گیا۔ پنڈت ونائک راؤ نے پرچم لہرانے کی رسم ادا کی، اور مسٹر نریندر و مسٹر ستیش کمار نے تقریریں کیں۔

———

کرناٹک کانفرنس کی مجلس عاملہ کا ایک جلسہ ۵ جنوری کو منعقد ہوگا جس میں اور امور کے علاوہ اصلاحات اور مشاورتی کمیٹیوں کے قیام کے متعلق غور کیا جائے گا۔

———

آریہ سماج سلطان بازار میں بصدارت پنڈت کاشی ناتھ راؤ ویدیہ جنم اُتسو منایا جائے گا۔ مسٹر ونائک راؤ، مسٹر نریندر اور پنڈت گوپال راؤ کیبوٹے تقریر کریں گے۔

———

پنڈت گوپال راؤ بورگاؤنکر صدر ہندو پرجا منڈل نے دکن کرانیکل کے نامندے سے ایک ملاقات میں کہا کہ مشاورتی کمیٹیوں کے قیام کی نسبت وہ اب کوئی رائے ظاہر کرنا نہیں چاہتے۔ پرجا منڈل کی مجلس عاملہ کا ایک جلسہ بہت جلد منعقد ہوگا جس میں اس مسئلہ پر غور کیا جائے گا۔ پرجا منڈل ملک کی موجودہ صورت حال پر غور کرنے سے پہلے مہاسبھا کے فیصلہ کا انتظار کر رہی ہے۔

———

آندھرا کانفرنس حیدرآباد سٹی کا اجلاس بمکان مسٹر ... منعقد ہوگا جس میں حالات حاضرہ پر غور کیا جائے گا۔

———

آندھرا کانفرنس کی مجلس عاملہ کا ایک اجلاس خصوصی مسٹر ... کی صدارت میں منعقد ہو رہا ہے جس میں ملک کی موجودہ صورت حال اور مجوزہ اصلاحات کے متعلق غور کیا جائے گا۔

———

مجلس اتحاد المسلمین نے حیدرآباد کے آئینی اور معاہداتی موقف کی نسبت ایک قرارداد منظور کی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ مجلس دوران جنگ میں اس مسئلہ پر زور دینا نہیں چاہتی تھی لیکن جب حکومت برطانیہ نے ... اور ... ہند کے بارے میں یہ اعلان کر دیا ہے کہ اس کو بعد اختتام جنگ آزادی دی جائے گی تو ... حیدرآباد ... کہ اگر وہ اپنی حلیف حکومت کے ... اس قسم کے ... سے ... کرے۔

———

انجمن وکلاء حیدرآباد ... مجلس وضع قوانین کی رکنیت کے انتخاب میں مجلس اتحاد المسلمین کی طرف سے وکلاء کے ایک نمائندہ کی نامزدگی کے خلاف احتجاج کیا ہے کہ وکلاء کے ... نمائندے کو خود نامزد کریں ... جماعت کی طرف سے مداخلت درست نہیں ہو سکتی۔

———

نشرگاہ حیدرآباد کو چند مشورے

نشرگاہ حیدرآباد نے ایک سہ ہفتہ واری پروگرام شائع کیا ہے۔ پروگرام کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے جمعہ کے روزانہ ساڑھے پانچ گھنٹہ کا پروگرام ہے اور جمعہ کو البتہ ۱½ گھنٹہ کا پروگرام صبح میں نشر کیا جاتا ہے۔

روزانہ کے پانچ گھنٹوں میں سے تین گھنٹے صرف موسیقی پر صرف کئے جاتے ہیں۔ مقامی نشریات اور خبروں پر پونے دو گھنٹے، بچوں کے پروگرام کے لئے ۲۰ منٹ اور تقاریر کے لئے ۲۰ منٹ اور بچوں کے پروگرام کو بھی شامل کر دیا جائے جو تقریباً موسیقی سے معمور رہتا ہے تو گویا ۳ گھنٹہ روزانہ کی موسیقی سننے والوں کو بیزار کرنے کے لئے کافی سے زیادہ ہے کیونکہ اس ضمن میں چند گانے والے اور والیاں تقریباً مختص کر لئے گئے ہیں جو وقفہ وقفہ سے گانے نشر کرتے ہیں۔

حیدرآباد میں چند ایسے بھی فن کار موجود ہیں اور جو لوگ چھگانے میں ہندوستان کے بڑے بڑے ماہرین سے کسی صورت سے کم نہیں، لیکن بدقسمتی سے جو اخباری شہرت بیرونی لوگوں کو حاصل ہے وہ ملکیوں کو نہیں لیکن محکمہ نشریات کا یہ فرض ہے کہ ایسے ماہرین کو بیرون ملک کے لوگوں سے بھی زیادہ معاوضہ دے کر ان کو موقع دے۔ یہ توقع بے جا ہے کہ ایسے اشخاص بذات خود محکمہ میں پیروی کریں۔ ہماری رائے میں محکمہ نشریات کو مقامی لوگوں کی تلاش کرنے چاہئے۔

تقاریر پر ½ گھنٹہ صرف کیا جاتا ہے۔ پہلے تو وقت کم دوسرے ایسی تقریروں سے رعایا حیدرآباد استفادہ نہیں کر سکتی ...... چنانچہ بعض تقاریر تو تقریباً وقت کشی سے زیادہ نہیں مثلاً آج کل دفیوں پر سلسلہ دلچسپ ہوگا مگر اس سے شریف ہے جو واقعات اخبارات میں اور دوسرے ذرائع سے معلوم ہوتے ہیں اسی کو پھر نشرگاہ حیدرآباد سے کیوں نشر!

اس سہ ہفتہ واری پروگرام میں صرف دو ایسے تقاریر ہیں جو حقیقت میں عام دلچسپی اپنے اندر رکھتی ہیں، مثلاً تعلیم اور تربیت اطفال بیل لاب، اور شاہان آصفیہ (سلسلہ) اپنی تمام وقت گزاری اور تکمیل ضابطہ معلوم ہوتے ہیں۔ اس محکمہ پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کی کے ذریعہ ملک کی صحیح تربیت اور رہنمائی کی جا سکتی ہے، مگر ابے تک محکمہ نے ایسا قدم نہیں اٹھایا۔ مشاعرہ، موسیقی افسانہ، یا لیکچر نشر کرنے سے محکمہ نشریات کا کام ختم نہیں ہو جاتا۔

...... کچھ دن قبل تمام ریاست کے عرض و طول میں جشن یوم خودمختاری منایا گیا مگر نشرگاہ حیدرآباد سے کوئی ایسا مضمون نشر نہیں کیا گیا جس سے ریاست کے حالات ماضی اور حال مستقبل پر تبصرہ ہوتا اور مستقبل کے متعلق مشورہ یا پروگرام ہوتا۔

حیدرآباد میں بہت سے قابل ترین لوگ موجود ہیں جو اپنے علم اور تجربہ کی حد تک بہترسے بہتر خیالات نشر کر سکتے ہیں۔ چنانچہ چند نام یہاں لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے

سید محمد اعظم صاحب —— تعلیمات پر

پروفیسر حبیب علی مرزا —— قانون و سیاسیات پر

علی اصغر بلگرامی صاحب مرحوم —— حیدرآباد کی دیہی رعایا اور نظم و نسق پر

مظہر حسین صاحب —— صنعتی اور زرعی ترقی اور اعداد و شمار پر

نواب حبیبی نواز جنگ بہادر —— شہری حقوق و ذمہ داریاں۔ یا حیدرآباد کی تعمیر و تنظیم

سید کفیل اللہ صاحب —— حیدرآبادی رعایا کے معاشی ترقی و مسائل پر

مولوی احسین صاحب —— ملک کے رسل و رسائل و ذرائع حمل و نقل پر

ان حضرات کے علاوہ اور بھی حضرات ایسے ہیں جو مفید مضامین جس سے حیدرآباد کی معاشرت، تمدن، صنعت و حرفت سیاست وغیرہ پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے نشر کر سکتے ہیں۔ اس محکمہ کا فرض ہے کہ حالات کے لحاظ سے کام کرے، مثلاً جب ملک میں کسی قسم کی بے چینی ہو تو اس وقت ایسے مضامین نشر کروائے جو اس بے چینی اور غلط فہمیوں کو دور کرنے میں مدد دے۔ کبھی علمی یا ملکی یا سیاسی ہفتہ منائے اور اس ہفتہ میں دلچسپ اور مفید مضامین نشر کرے۔ پریس نوٹ نشر کرنا یا بازار کے نرخ کی اشاعت کرنے سے محکمہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

ہم اس قدر ضرور کہیں گے کہ کبھی کبھی اس نشرگاہ سے اچھے مضامین بھی نشر ہوتے ہیں جن میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب کی تقاریر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ چند روز قبل پروفیسر حسن علی خاں نے عمر خیام پر جو تقریر نشر کی وہ حقیقت میں بہت دلچسپ تھی اسی طرح اور بھی صاحب علم اور فہم لوگوں سے خواہش کی جائے تو بہتر ہے۔

مختصر یہ کہ ہماری خواہش ہے کہ محکمہ نشریات اس کی ادعیٰ لوازماتِ طریقہ کار اور پالیسی کا جائزہ لے یا اس پر تفصیلی نظر ڈالے اور ایسا قدم اٹھائے جس سے سابقہ تمام خامیاں دور ہو جائیں —— حقیقت یہ ہے کہ اس محکمہ کی اہمیت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

ایک سننے والا

———

چوبیس گھنٹوں میں

ہر قسم کی جدید ڈزائن، پیمائش زمین تقسیم ترمیم رجسٹری رہن وغیرہ کے نقشہ جات ہو کر ایک عدد مولڈر معہ ریلف نپ مفت حاصل فرمائیے:

مارکٹ نقشہ گھر ۴۰ / ۸ باغ لنگم پلی سلطان بازار حیدرآباد

ہندوستان کو پانچ مقبوضات میں تقسیم کیا جائے

(مسلسل صفحہ ۱۰)

اور مرکزی ابواب کی موجودہ فہرست اس قدر جامع ہے کہ باقی اختیارات کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ تاہم کانگریس نے ایک اصول کو تسلیم کیا ہے اور یہ ایک اچھا اشارہ ہے جس کا خیر مقدم کرنا چاہئے۔ اس سے سمجھوتہ کی اسپرٹ ظاہر ہوتی ہے اور ان لوگوں کی امیدیں بڑھ جاتی ہیں جو اس کے حامی ہیں۔

اس میں شک نہیں ہماری سیاسی گتھیوں کو حل کرنے کے لئے اسی قسم کی سیکڑوں اسکیمیں مرتب کی گئی ہیں لیکن ان اسکیموں پر غور کرنے کا یہ وقت نہیں ہے۔ ہمیں پہلے جنگ جیتنی چاہئے اور ہندوستان کی آزادی کا تیقن حاصل کرنا چاہئے یہ چیز بالکل صاف ہے اور وہ یہ ہے کہ دوران جنگ میں کسی دستوری اسکیم کو چاہے اس میں کتنی ہی خوبیاں ہوں بذور شمشیر نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ کانگریس اور مسلم لیگ میں سمجھوتہ ہو جانا ضروری ہے ورنہ اس ملک کو امن اور آزادی کبھی نصیب نہ ہوگی۔

کہا جاتا ہے کہ کرپس سے گفت و شنید کے دوران میں کانگریسی لیڈر حکومت برطانیہ سے یہ اطمینان چاہتے تھے کہ اگر کانگریس نے عہدے قبول کئے تو اگزیکٹیو کونسل میں اس کے فیصلے ذمہ دار وزارت یا کابینہ کے فیصلے کے طور پر تسلیم کئے جائیں۔ گفت و شنید کے منقطع ہونے کی ایک وجہ یہی تھی۔

اس امر پر بحث کرتے ہوئے کہ اگر حکومت ہند کانگریس پارٹی کے تفویض کر دی گئی تو اس پر کیا اعتراضات وارد ہوں گے سر فیروز خان نون نے کہا کہ "سب سے پہلے مسلمانان ہند اعتراض کریں گے۔ اور اگر کانگریس نے قانون شکنی کے ذریعہ حکومت برطانیہ کو مجبور کر دیا تو مسلمان اور دیگر اقلیتیں بھی کانگریس کی تقلید کریں گی۔ اگر اس ملک میں سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے جبر و قوت استعمال کی جائے گی تو کیا ہم یہ توقع نہ کریں کہ مسلمان بھی لڑیں گے اور سختی سے لڑیں گے اور وہ اس قوت سے زیادہ قوت استعمال کریں گے جو آج کانگریس استعمال کر رہی ہے۔ اس کے برخلاف اگر پنجاب کی اقلیتوں کی مرضی کے خلاف پاکستان کی اسکیم روبہ عمل لائی گئی تو ایسی صورت میں بھی یہ اقلیتیں کانگریس کی تقلید کریں گی اور انتشار اور بدنظمی پیدا ہو جائے گی۔

سمجھوتہ اور اتحاد

سر فیروز خان نون نے کہا کہ ہندوستان کی سیاسی خرابیوں کا حل فلسفۂ قوت میں مضمر نہیں ہے جو آج کل کانگریس نے مہاتما جی کی برسوں کی تعلیم عدم تشدد کے باوجود استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ بلکہ یہ حل مصالحت اور سمجھوتہ میں مضمر ہے۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ سیول نافرمانی کی تحریک کرپس کے مشن کا راست نتیجہ ہے۔ سر اسٹافورڈ کرپس کا ایسے وقت پر جبکہ انگلستان اور اس کے متحدین بظاہر فتح کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے عجلت کے ساتھ چلے جانا یہ خیال پیدا کرنے کا باعث ہوا کہ حکومت برطانیہ نوعی صورت حال کو اس قدر نازک تصور کرتی ہے کہ وہ ہندوستان میں ہر قیمت پر امن خریدنے تیار ہے۔ سیول نافرمانی کی تحریک ایسی غلط خیال کو راست عجیب ہے کیونکہ اب تک مسٹر گاندھی یہ کہتے آئے ہیں کہ وہ حکومت برطانیہ یا اس کے اتحادیوں کے لئے وہ دشواریاں پیدا نہیں کریں گے۔ لیکن اب محاذ کی تبدیلی کی کیا وجہ ہوئی آپ اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں۔ یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دشواری نہ ہونی چاہئے کہ یہ قانون شکنی بہت جلد دب جائے گی اور کانگریس کا فلسفۂ قوت ناکام رہے گا۔ اس کے بعد آزادی حاصل کرنے کے لئے صرف ایک قابل عمل صورت باقی رہ جاتی ہے یعنی سمجھوتہ اور اتحاد۔

احمد یہ پریس چارمینار میں طبع ہوکر باہتمام سید حسن ... دفتر مملکت ... توپ کا سانچہ سے شائع ہوا